تعارف

سنہ ۱۹۴۴ء

اس ڈرامے کا پہلا ایڈیشن سنہ ۱۹۲۲ء میں شائع ہوا تھا۔ اُس زمانے میں اسٹیج کے ڈرامے زیادہ تر مقفّیٰ نثر اور نظم میں لکھے جاتے تھے اور حضرت احسن لکھنوی اور آغا حشر کاشمیری کا اسلوب تحریر ہی قابل تقلید سمجھا جاتا تھا۔ حقیقت میں ڈراموں کی عبارت کا یہ انداز تھیٹریکل کمپنیوں کے اُن پارسی مالکوں کی پسند کا ردّ عمل تھا جن کے مذاق نے امانت اور مداری لال کی اندر سبھا کی گود میں پرورش پائی تھی اور جن کا ذوق حسینی میاں ظریف اور رونائک پرشاد طالب کی نظم و نثر کے آبِ حیات سے شاد کام تھا وہ بیان اور کلام کے اُسی پرانے اسلوب کو پسند کرتے تھے، اور ڈراماٹسٹ انہیں کی پسند کو اپنے فن کا مآل اور مقصد سمجھتے تھے۔ ہاں حضرت احسن نے یہ بات ضرور کی کہ ڈرامے کی نثر کو لکھنؤ کے محاورے کا اور اس کی نظم کو اصولِ عروض کا پابند کر دیا۔ آغا حشر نے ہندوستانی ڈرامے کی اُردو عبارت پر مغربی محاورے کا رنگ چڑھایا اور ہندوستانی شاعری کو اُن قیود سے آزاد کر دیا جو اس کی قدرتِ اظہار کی جولانیوں کو روک رہی تھیں۔

"باپ کا گناہ" بھی اسی قسم کی ایک تھیٹریکل کمپنی کے لئے لکھا گیا تھا۔ اس لئے اس کی عبارت پر بھی انہیں پُرانے اُستادوں کا رنگ غالب ہے۔ اس میں

کہیں کہیں عبارت کے ایسے ٹکڑے ملیں گے جن کے جملے مقفّیٰ ہیں اور اس میں ایسے اشعار بھی نظر آئیں گے جو احساس کو صحیح مرکز پر قائم رکھنے کے ضامن اور ذہن کو اثر کی طرف منعطف کرنے کے کفیل ہیں۔

میری تمنا ہے کہ اسٹیج کے ڈراموں کی روش تبدیل ہو جائے۔ مگر جو تبدیلی مدارج و منازل سے بے نیاز ہو، مقبول عام نہیں ہو سکتی۔ اس لئے اگرچہ میں نے اس ڈرامے میں بہت سی قابل اعتراض اور رسمی باتوں کو ترک کر دیا۔ تاہم اندازِ تکلّم اور اسلوبِ بیان میں بہت زیادہ تغیر روا نہیں رکھا۔ مجھے یقین ہے کہ ہندوستانی ڈراما بہت جلدی اس عروجِ کمال کو پہنچ جائیگا جس کے حصول کی آرزو ہندوستانی لٹریچر کے ہر بہی خواہ کو بیقرار رکھتی ہے اور ہندوستانی ڈراما بھی مغربی ڈرامے کی طرح مجلسی اور اقتصادی مسائل اور اُن کے حل کو منظرِ عام پر لانے کا ایک کامیاب وسیلہ بن جائیگا۔

میں اصولاً اِن نقّادانِ ادب سے متّفق نہیں جو ڈرامے کے مکالمات کو عام زبان میں تحریر کرنے کے حامی ہیں۔ میرے خیال میں ناول اور ڈرامے میں اور باتوں کے علاوہ یہ بات بھی مابہ الامتیاز ہے کہ ناولسٹ اپنے ناول کے کیریکٹروں کی تصویر زیادہ سے زیادہ الفاظ میں کھینچتا ہے اور ڈراماٹسٹ اپنے ڈرامے کے کیریکٹروں کے جذبات کم سے کم الفاظ میں بیان کر دیتا ہے۔ گویا ناولسٹ کا تعلق زیادہ تر بیان سے ہے اور ڈراماٹسٹ کا احساس سے۔ اس منتہائے نظر کے

حصول کے لئے غیر معمولی طریقۂ اظہار لازمی ہے۔ اور ڈرامے کے کیریکٹروں کی زندگی کے انہیں واقعات کا انتخاب ضروری ہے جو قصے کی رفتار کے ساتھ ساتھ ڈراماٹسٹ کے اپنے خیالات کے اظہار کا وسیلہ بن جائیں۔ ظاہر ہے کہ کسی زبان کے لٹریچر میں اسی طریقِ کار سے کوئی قابلِ قدر اضافہ ہو سکتا ہے۔

میں اُس اسلوب بیان اور اندازِ تکلّم کو پسند نہیں کرتا جسے آج کل کے ڈراماٹسٹ حقیقت نگاری سے موسوم کرتے ہیں۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ یورپ کے قریب قریب تمام نقادانِ ادب اب اس بات پر متفق ہو چلے ہیں کہ ڈراما نظم کی صنف سے منتقل ہو کر نثر کی صنف میں آگیا ہے اور یہ انتقالِ صنف اس کے ارتقا کا لازمی نتیجہ ہے۔ گفتگو میں تخیل کی رنگینیوں کی کوئی جگہ نہیں، وہی زبان جو روزمرّہ کہلاتی ہے صحیح محاورے اور اندازِ تکلّم کے مطابق ڈرامے کی زبان ہونی چاہئے اور اُنہیں حالات اور واقعات کو جن سے انسان زندگی میں روزانہ دوچار ہوتا ہے ڈرامے کا پس منظر بنانا چاہیئے۔ یہ خیال یورپ کے دماغ پر اس قدر طاری ہو گیا ہے کہ لوگ شیکسپئیر کی معجز نگاری کو محض تخیل کی ہنگامہ آرائی سمجھنے لگے ہیں۔ مگر میں ڈرامے کو اب بھی نظم ہی کا منتہیٰ تصور کرتا ہوں اور ڈرامے کی گفتگو کو نثر میں لکھنے کے باوصف اسے شعر کی خصوصیات سے عاری کرنا نہیں چاہتا۔ میرا خیال ہے کہ آج کل ڈراموں میں اشعار کے فقدان کا ایک باعث یہ بھی ہے کہ عہد حاضر کے اکثر ڈراماٹسٹ شعر کہنے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتے اور ان کی عبارت میں تخیل کی بزم آرائیاں

اس لئے مفقود ہیں کہ اس بارگاہ میں ان کی رسائی نہیں۔

بہرحال میں نے ان خیالات کو جو میری رائے میں سوسائٹی کے لئے مفید ہیں ایک پسندیدہ صنفِ ادب کے توسّل سے منظرِ عام پر لانے کی کوشش کی ہے اور رسمی پابندیوں کے باوصف یہ امر ملحوظ خاطر رکھا ہے کہ اس تحریر کا مقصد محض عبارت آرائی نہ ہو بلکہ ہر لفظ کے پردے میں کوئی ایسا جذبہ مضمر ہو جس کے احساس سے میرے وطن کی مجلسی زندگی کی اصلاح ہو جائے۔

اس تعارف کے سلسلے میں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ میں ایک ذرا سی روشنی ان حالات اور واقعات پر بھی ڈال دوں جن کے باعث میری طبیعت کی فطری صلاحیت تمثیل نگاری کی طرف راغب ہوئی اور جن کی بدولت مجھے اکتسابِ فن کے نادر مواقع میسر آئے۔ یہ مختصر سی روئداد اس لئے بھی کچھ وقعت رکھتی ہے کہ اسٹیج کا ڈراما ان موانع کے باعث جو فلم سازی کی صنعت نے اس کے رستے میں حائل کردئے ہیں، پچھلے بیس برس کے دوران میں ترقیٔ معکوس کرتے کرتے اب قریب قریب ناپید ہو چلا ہے اور اگرچہ ریڈیو کی سرپرستی کے باعث آواز کی وساطت سے ڈراموں کے مکالمات اب بھی سُننے میں آجاتے ہیں اور کتابی صورت میں ڈراما پڑھنے والوں کی تعداد روز بروز بڑھتی چلی جاتی ہے۔ تاہم جہاں تک فنِ تمثیل کا تعلق ہے اسٹیج ایک بھولی ہوئی کہانی اور اسٹیج کے ایکٹر محض طاقِ نسیاں کی آرائش ہیں۔ شاید اس روئداد کو پڑھ کر اس فن کے کسی صاحب درد اور

پرجوش سرپرست کے دل میں از سرِ نو اُمنگ پیدا ہو جائے اور وہ اسٹیج کے تختوں کو نہاں خانۂ عدم سے نکال کر کھڑا کر دے۔ اور اسٹیج کو پھر وہی چھوٹی سی دُنیا بنا دے جس کی وقعت اور اہمیت سے متاثر ہو کر شیکسپیئر نے اس کائنات کو جسے ہم دُنیا کہتے ہیں اسٹیج کے نام سے تعبیر کیا تھا۔

میں نے اپنی زندگی میں پہلی مرتبہ تھیئٹر کا تماشا ۱۹۰۰ء میں دیکھا۔ اس وقت میری عمر کوئی سات برس کی تھی۔ اس تماشے کا نام چندراولی تھا۔ خدا کے فضل سے اس زمانے میں بھی میری قوتِ حافظہ ایسی تیز تھی کہ چندراولی کے اکثر گیت اور مکالمات مجھے ازبر ہو گئے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ اس تماشے میں ایک لڑکا باشی جو مالن کا پارٹ ادا کرتا تھا جب " دو پھول جانی لے لو" گاتا تھا تو تھیئٹر واہ واہ کے شور سے گونج اُٹھتا تھا۔ یہ تھیئٹریکل کمپنی 'جمعدار کی کمپنی' کے نام سے مشہور تھی۔ مگر پشاور کے لوگ اس کو بھی اندر سبھا ہی کہتے تھے میں نے اس کمپنی کے تین تماشے دیکھے۔ چندراولی، اندر سبھا اور گُل بکاولی ۱۹۰۱ء میں ہم لوگ لاہور چلے آئے۔ میرے تایا کے نواسوں سیّد ہاشم علی، فقیر نجم الدین اور سیّد نادر شاہ اور میری پھوپھی کے ایک پوتے فقیر سعید الدین کو تھیئٹر کے تماشوں کا بہت شوق تھا۔ انہوں نے ایک چھوٹی سی کمپنی اپنے گھر ہی میں بنا رکھی تھی۔ مولوی عبدالمجید وکیل، ان کے چھوٹے بھائی مولوی عبدالوحید اور میرے بھائی حکیم امین الدین بیرسٹر ایٹ لا کے ایک دوست میر کرامت اللہ امرتسری اس

کمپنی کے لئے چھوٹے چھوٹے ڈرامے لکھتے تھے اور ان میں پارٹ بھی کیا کرتے تھے۔ یہ تھیئٹر کیا تھا پتلیوں کا تماشا تھا۔ میرے پھُپا فقیر امام الدین جو والی پنجاب مہاراجہ رنجیت سنگھ کے عہد حکومت میں صوبہ گوبند گڑھ کے صوبہ دار تھے، کی حویلی کے میدان میں ہمارے ایک ہمسائے مستری مراد بخش نے بانسوں کا ایک ڈھانچ سا کھڑا کر رکھا تھا۔ رات کے وقت سب لوگ اپنے اپنے گھر سے ریشمی چادریں اور کشمیری دوشالے لے آتے اور ان بانسوں پر لٹکا دیتے ایکٹروں کے لباس بھی اِدھر اُدھر سے مانگ تانگ کر بہم پہنچائے جاتے تھے۔ سیّد ہاشم علی ہارمونیم خوب بجاتے تھے۔ جب وہ باجا لے کر بیٹھتے تو میں اس کی دھونکنی سنبھال لیتا۔ فقیر نجم الدین مصوّر بھی تھے۔ اور دلربا کے ماہر بھی۔ فقیر سعید الدین بہت اچھا شعر کہتے تھے۔ اور اسی کمپنی میں پرامپٹر کے فرائض انجام دیا کرتے تھے مولوی عبدالمجید، فتنہ غانم کے تماشے میں غانم کا پارٹ ادا کرتے تھے۔ میں دن رات اپنے ان بھانجوں اور بھتیجوں کے ساتھ لگا رہتا تھا۔ مگر میری والدہ کو یہ بات پسند نہ تھی۔ اُن کو کھیل تماشے سے فطرتاً نفرت تھی اور اس امر کے احساس سے کہ میرے سر سے باپ کا سایہ اُٹھ چکا ہے، اور ان چیزوں سے میرے پڑھنے لکھنے میں ہرج کا اندیشہ ہے، انہیں بہت تکلیف ہوتی تھی۔ بہر حال جب وہ دیکھتی تھیں کہ ان باتوں کا میری تعلیم پر کوئی برا اثر نہیں پڑتا اور راتوں کو میں جس راجہ اندر کی سبھا میں جاتا ہوں، اس میں میرے خاندان کے لوگوں

کے سوا اور کوئی موجود نہیں ہوتا تو یہ کہہ کر دل کو تسلی دے لیا کرتی تھیں کہ آخر کھیل کود کے یہی دن ہیں ۔ لڑکا ساری عمر یہی کام تو نہیں کیا کرے گا ۔ اُس وقت کسے معلوم تھا کہ آگے چل کر یہی کام میری زندگی کا ایک اہم مشغلہ بن جائیگا ۔

اس کمپنی میں زیادہ تر علی بابا چالیس چور ۔ فتنہ خانم ۔ لیلیٰ مجنوں ۔ شیریں فرہاد کے تماشے اُردو زبان میں اور ہیر رانجھا اور سوہنی مہینوال کے تماشے پنجابی زبان میں ہوا کرتے تھے ۔ کبھی کبھی تبرک کے طور پر اندر سبھا کا تماشا بھی ہو جاتا تھا تھیئٹر کے تماشوں کی محبت اور ناٹک پڑھنے اور لکھنے کی عادت کی بنیاد میری طبیعت میں اسی زمانے میں پڑی ۔ اسی سال بمبئی کی ایک مشہور تھیئٹریکل کمپنی جو بمبئی پارسی تھیئٹریکل کمپنی کے نام سے موسوم تھی ۔ لاہور آئی ۔ لاہور میں اس کمپنی کا ورود تھیئٹر کے شیدائیوں کے لئے ایسا تھا جیسے کوئی گراں بہا دولت مل جائے یا کوئی انوکھی نعمت ہاتھ آجائے ۔ اس کمپنی کے آتے ہی ہماری کمپنی کا بازار سرد پڑ گیا ۔ میں بھی کبھی کبھی والدہ سے اجازت لے کر سید ہاشم علی کے ساتھ اس کمپنی کا تماشا دیکھنے چلا جاتا تھا ۔ ایسا تھیئٹر میں نے اب تک نہیں دیکھا تھا ۔ اس زمانے کی حیرت آج بیان ہو تو کیونکر ہو سیٹھ اردیسر دادا بھائی ٹھونٹی اس کمپنی کے مالک جب سٹیج پر آتے تھے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آکاش سے راجہ اندر اُتر آیا ہے ۔ اس زمانے میں یہ

بات عام طور پر مشہور ہو گئی تھی کہ لوگوں نے اس کمپنی کا تماشا دیکھنے کے لئے ماں بہنوں کے زیور اور پہننے کے کپڑے تک بیچ ڈالے۔ خدا جانے اس کمپنی کو کسی کی نظر لگ گئی کہ ایک رات اسٹیج کے لمپوں میں آگ بھڑک اٹھی اور آن کی آن میں یہ کمپنی جل کر راکھ ہو گئی۔ اس کمپنی کے جل جانے کے بعد کبھی کبھی یہ خبر اُڑتی اُڑتی لاہور پہنچ جاتی تھی کہ خورشید جی بالی والا کی وکٹوریا تھیئٹریکل کمپنی اور کاؤس جی کھٹاؤ کی ایلفرڈ تھیئٹریکل کمپنی لاہور آیا ہی چاہتی ہیں۔ اس خبر سے بازاروں میں ہل چل مچ جایا کرتی تھی۔ اور لوگ اُن کمپنیوں کے انتظار میں دن رات بیتاب رہتے تھے۔

اس زمانے میں اسکولوں اور کالجوں میں بھی ڈرامے کھیلے جاتے تھے۔ کبھی انگریزی میں، کبھی اُردو میں۔ یہ ڈرامے زیادہ تر ایسے ہوتے تھے جنھیں ڈراموں سے موسوم کرنا شاید صحیح نہ ہوگا۔ مختلف ڈراموں میں سے چنے ہوئے سین یا کسی خاص مضمون پر لکھے ہوئے مکالمات تھیئٹریکل کمپنیوں کے تماشوں کے انداز میں پیش کئے جاتے تھے۔ نفسِ مضمون کے اعتبار سے ان مناظر اور مکالمات کا تعلق کسی نہ کسی اخلاقی تحریک سے ہؤا کرتا تھا۔ کبھی کبھی کوئی ایسا ڈراما بھی دیکھنے میں آجاتا تھا جِس سے کسی مجلسی مسئلے کی اصلاح کا پہلو نکلتا ہو۔ ٹمپرنس کی تحریک انہیں دنوں میں معرض وجود میں آئی۔ اس زمانے میں امرتسر کی ٹمپرنس سوسائٹی بڑے زوروں پر تھی۔ اس کی دیکھا دیکھی لاہور کے ایک

مشہور سوشل ریفارمر لالہ نند لال نے بھی واٹر ورکس لاہور کے قریب ایک ڈرامیٹک سوسائٹی کی طرح ڈالی۔ اِن تماشوں کا رنگ ڈھنگ رِاس لیلاؤں کا سا ہوتا تھا جب یہ ڈرامے کسی اسکول کے اسٹیج پر کھیلے جاتے تھے تو ایک پلیٹ فارم پر بانسوں کا چوکٹا کھڑا کر کے اس کے پیچھے ایک بڑی سی چادر ڈال دی جاتی تھی جس کے سامنے آکر ایکٹر اپنا اپنا پارٹ ادا کیا کرتے تھے۔ میں نے بھی سنٹرل ماڈل اسکول لاہور کے ایک ایسے ہی اسٹیج پر کئی مرتبہ چھوٹے چھوٹے پارٹ ادا کیے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ ان دنوں رام لیلائیں بھی تھیٹریکل کمپنیوں کے اثر سے ایک حد تک متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکیں۔ اور رامائن کی کتھا جو پہلے صرف بیانیہ مکالمات کی وساطت سے ہوتی تھی، اب اسٹیج پر ناٹک کی صورت میں دکھائی جانے لگی۔ واٹر ورکس کے میدان میں دسہرے کے تہوار پر ایک اسٹیج بناتے تھے جس پر خوبصورت لڑکے راجاؤں کا سا لباس پہن کر رامچندر جی اور لچھمن جی کا پارٹ ادا کرتے تھے اور لڑکے ہی رانیوں کا سا لباس پہن کر کیکئی۔ کوشلیا۔ اور سیتا جی بن جاتے تھے۔ ایک بڑا سا لڑکا منہ پر ہنومان جی کا کاغذی چہرہ پہن کر اور کمر میں روئی کی دُم لگا کر بانر سینا کا سیناپتی بن جایا کرتا تھا۔ میں ۱۹۰۵ء میں بھائی جان کے ساتھ راولپنڈی چلا گیا۔ جس کوٹھی میں ہم رہتے تھے، اس کے قریب ہی پریم پرچارنی ناٹک منڈلی کا منڈوہ تھا پہلے تو یہ لاہور کی رام ناٹک کلب کی طرح ایک ایمیچور ڈرامیٹک سوسائٹی تھی

مگر بعد میں لالہ نانک چند نے اسے ایک پروفیشنل تھیئٹریکل کمپنی کی شکل میں منتقل کر دیا۔ میں اور میرے دوست سردار سکندر حیات خاں جو اس زمانے میں میرے ساتھ پڑھتے تھے۔ قریب قریب ہر رات اس کمپنی کا تماشا دیکھتے تھے۔ منشی غلام علی دیوانہ، سیّد مہدی حسن، مسٹر حیات محمدؐ اور ماسٹر لبھو اس وقت اس کمپنی میں کام کرتے تھے۔ میں نے دوسری مرتبہ چندراولی کا تماشا اسی کمپنی میں دیکھا۔ اس کے علاوہ منشی غلام علی دیوانہ کے لکھے ہوئے تین ڈرامے مہر جیا سیرِ پرستان اور تائید یزدانی بھی میں نے اسی کمپنی کے اسٹیج پر دیکھے۔ منشی صاحب ہر روز شام کو بھائی جان سے ملنے آتے تھے اور گھنٹوں ان کے ساتھ باتیں کرتے رہتے تھے۔ ان باتوں کا موضوع اکثر ڈراما ہی ہوا کرتا تھا۔ میں ان کے پاس بیٹھا ان کی باتیں سنتا رہتا تھا۔

ایک دن اچانک خبر آئی کہ خورشید جی بالا والا کی وکٹوریا تھیئٹریکل کمپنی لاہور آگئی ہے۔ یہ سُن کر میں اور سردار سکندر حیات خاں لاہور آنے کی تیاریاں کرنے لگے۔ اور آخر کار لاہور آپہنچے۔ منشی ونائک پرشاد طالب کے لکھے ہوئے ڈرامے لیل و نہار اور نازاں اور پرانے ڈراموں میں سے نگاہِ غفلت اور ہریش چندر میں نے اسی زمانے میں خورشید جی بالا والا کی وکٹوریا تھیئٹریکل کمپنی کے اسٹیج پر دیکھے۔ خورشید جی بالی والا کامک پارٹ کیا کرتے تھے۔ اور اپنے زمانے کے بڑے مشہور ایکٹر تھے۔ اُردو اس شُستگی اور روانی سے بولتے تھے

کہ کوئی اہلِ زبان بھی تمیز نہ کر سکتا تھا کہ وہ لکھنؤ کے عہد عظمت کی یادگار ہیں یا آسمانِ پارس کے ٹوٹے ہوئے تارے۔ ہرمزجی تانترا جب نگاہِ غفلت میں ہیرو کا پارٹ ادا کرتے تھے اور ہریش چندر کے تماشے میں ہریش چندر بن کر نکلتے تھے۔ تو آنکھیں اُس پیکرِ حُسن و کمال کو دیکھکر آئینۂ حیرت بن جاتی تھیں۔ الفاظ کے تلفظ میں اپنے پارسی نژاد ہونے کی جھلک دکھا جاتے تھے۔ غرور کو گرُوڑ اور غفلت کو گفلت کہتے تھے۔ مگر ٹریجڈی کے بادشاہ تھے۔ اکثر ایسا ہوا کہ نگاہِ غفلت کے تماشے میں پارٹ ادا کرتے کرتے جوش میں آ کر ہیروئن کی اوڑھنی پھاڑ ڈالی۔

سنہ ۱۹۰۷ء میں والدہ کی وفات کے بعد میں لاہور ہی رہنے لگا۔ میرے تایا کی بیٹی کے داماد آغا رحمت علی خاں جو اورنگ زیب عالمگیر رح کے وزیر نعمت خانِ عالی کی اولاد میں سے تھے، بہت امیر آدمی تھے اور تھیئٹر کے دلدادہ۔ انہوں نے پہلے تو اپنا شوق پورا کرنے کے لیۓ ایک تھیئٹریکل کمپنی بنائی۔ پھر سیٹھ کاؤس جی کھٹاؤ کی شاگردی اختیار کی۔ اور پھر پنجاب لیفارمنگ تھیئٹریکل کمپنی کے نام سے ایک پروفیشنل تھیئٹریکل کمپنی قائم کر دی۔ ان دنوں اس کمپنی کا لاہور میں بڑا چرچا ہو چلا تھا۔ شاید ہی کوئی ڈراما ہو جو اس کمپنی کی اسٹیج پر نہ کھیلا گیا ہو۔ وہ اپنا آدمی بھیج بھیج کر بمبئی سے ڈرامے منگاتے تھے اور انہیں اپنے اسٹیج پر دکھاتے تھے۔ ہر ڈرامے میں ہیرو کا پارٹ

خود ادا کرتے تھے۔ اُن کی کمپنی کے ایکٹروں میں اللہ بخش تانتا، گردھاری لال اور بابو غلام قادر بہت مشہور تھے۔ میں نے حضرت احسن لکھنوی کے لکھے ہوئے ڈرامے خونِ ناحق، گلنار فیروز، دلفروش، بھول بھلیاں اور آغا حشر کاشمیری کے لکھے ہوئے ڈرامے اسیرِ حرص، شہید ناز، مرید شک، سفید خون، اور صیدِ ہوس اور پنڈت نارائن پرشاد بیتاب کے لکھے ہوئے ڈرامے قتلِ نظیر اور زہری سانپ اسی کمپنی کے اسٹیج پر دیکھے۔ حاصل کلام میں نے چودہ پندرہ برس ہی کی عمر میں تھیٹر کے وہ تمام تماشے دیکھ لیئے جو اُس وقت مقبول عام تھے۔ اور جہاں تک ڈرامے کا نمائشی تعلق ہے میں اس فن کی جزئیات سے بخوبی واقف ہو گیا۔

اسی زمانے میں کاؤس جی کھٹاؤ کی الیفریڈ تھیٹریکل کمپنی لاہور آئی۔ اس کمپنی کی آن بان خورشید جی بالی والا کی کمپنی کی طرح تھی۔ فرق تھا تو صرف اتنا کہ خورشید جی کامک پارٹ ادا کیا کرتے تھے اور کاؤس جی ٹریجک۔ خونِ ناحق کے ڈرامے میں ہیملیٹ اور رومیو جیولٹ میں رومیو کا پارٹ کاؤس جی اس خوبی سے ادا کرتے تھے کہ کوئی شخص بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکتا تھا میں نے خورشید جی بالی والا جیسا کامیڈین اور کاؤس جی کھٹاؤ جیسا ٹریجیڈین آج تک نہیں دیکھا۔ مس میری فینٹن کا بیٹا ماسٹر ایڈی بھی اس زمانے میں ان کی کمپنی میں زنانہ پارٹ ادا کیا کرتا تھا۔ بہت خوبصورت،

دُبلا پتلا اور نوعمر تھا۔ زنانہ لباس پہنتا تو ایک پری جمال نازنین دکھائی دیتا۔ خُدا کی قُدرت گلا ایسا پایا تھا کہ بڑے بڑے ماہرانِ موسیقی بھی اس کا گانا سُن کر عش عش کر اُٹھتے تھے۔ اُردو اہل زبان کی طرح بولتا تھا حُسنِ اتفاق سے ایک دن اس سے ملاقات ہو گئی۔ ایڈی نے تھیئٹر کے گھوارے میں پرورش پائی تھی۔ مجھے بھی بچپن سے تھیئٹر کا شوق تھا۔ تھوڑے ہی دنوں میں ہم ایک دوسرے کے دوست بن گئے۔ ایڈی کوئی دو مہینے تک میرے ہی مکان پر رہا میں نے اُس زمانے میں اس کے گانے جی بھر کر سُنے۔ اِس وقت بھی میرے کانوں میں اس کے مشہور گیت "کوئلیا بن باسی کوکُت بن میں" کی لے گونج رہی ہے افسوس اس کی زندگی نے وفا نہ کی ورنہ ہندوستان کے فنونِ لطیفہ میں ایک روشن باب کا اضافہ ہو جاتا۔

ماسٹر جھنڈے خاں کو پہلی مرتبہ میں نے کاؤس جی ہی کی کمپنی میں دیکھا۔ ہنر کی قدر بھی دُنیا میں اضافی حیثیت رکھتی ہے۔ خدا کے فضل سے آج بھی وہ زندہ ہیں۔ لیکن بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ وہ کہاں ہیں اور کیا کرتے ہیں حالانکہ ہارمونیم بجانے میں ان کی مہارت اور علم موسیقی میں ان کا تبحّر اس زمانے کی نسبت آج کہیں زیادہ ہے۔ لیکن اب سے پینتیس برس پہلے ماسٹر جھنڈے خاں کا نام ایک طلسم تھا جسے سُن کر لوگ دور دراز کی منزلیں طے کر کے آتے تھے۔ اور اُن کا مکان ایک مندر تھا جو اُن کے عقیدتمندوں

اور زائروں سے ہر وقت گھرا رہتا تھا۔ جب تک کاؤس جی زندہ رہے، ماسٹر جھنڈے خاں انہیں کی کمپنی میں کام کرتے رہے۔ ان کی وفات کے بعد میڈن تھیٹرز میں چلے گئے اور آج کل بمبئی میں فلمی ڈراموں کے گانے مرتب کرتے ہیں۔

میں ۱۹۰۹ء میں میٹریکولیشن کا امتحان پاس کرنے کے بعد علی گڈھ کالج داخل ہونے کے لئے جا رہا تھا۔ میرے دوست خواجہ فیروزالدین احمدؒ جو آجکل لاہور کے ایک مشہور بیرسٹر ہیں اور اُس وقت علی گڑھ کالج میں پڑھتے تھے۔ میرے رفیقِ سفر تھے۔ ہم دونوں ایک دن کے لئے دلّی ٹھہر گئے خواجہ فیروزالدین کو بھی تھیٹر سے والہانہ محبّت تھی۔ شاید ہی کوئی ایسا ناٹک ہو جس کے گانے اور مکالمات ان کو یاد نہ ہوں۔ سٹیشن پر اُترتے ہی خبر ملی کہ سہراب جی اوگرا کی نیو ایلفرڈ تھیئٹریکل کمپنی دِلّی آئی ہوئی ہے۔ اس رات اس کا مشہور تماشا خوبصورت بلا ہو رہا تھا۔ یہ ڈراما بھی آغا حشر ہی کا لکھا ہوا ہے۔ ہمیں ٹکٹ کے ملنے میں جس دشواری کا سامنا ہوا اُسی سے اس تماشے کی مقبولیت کا پتہ چل گیا۔ منڈوے تک بڑی مشکل سے رسائی ہوئی۔ جب پردہ اُٹھا تو میں یہ دیکھ کر حیران ہو گیا کہ دنیا وہیں ختم نہیں ہو گئی تھی جہاں ہم اُسے لاہور میں چھوڑ آئے تھے۔ خورشید جی بالی والا اور کاؤس جی کھٹاؤ کا رنگ دیکھ چکے تھے۔ اب سہراب جی اوگرا کا رنگ دیکھا تو پہلا رنگ

پھیکا پڑ گیا۔ اس اسٹیج پر پہلی مرتبہ ایک عورت کو عورت کا پارٹ کرتے دیکھا
مس زہرہ ایک یہودی نازنین جس کی عمر اس وقت کوئی اٹھارہ برس کی ہو گی جب
اسٹیج پر آئی تو کوئی سخت کافر ہی ہو گا جو اس پر ایمان نہ لے آیا ہو۔ سہراب
جی اوگرا بھی خورشید جی کی طرح کامک پارٹ ادا کیا کرتے تھے۔ اور سچ تو
یہ ہے کہ ان دونوں کے کمال کے درجوں میں تمیز کرنا اُس وقت بھی ناممکن تھا
اور آج بھی ناممکن ہی نظر آتا ہے۔

سنٹرل ماڈل اسکول لاہور کے ہیڈ ماسٹر مسٹر لینگ ہارن نے مجھے خود
شیکسپیئر کے تین ڈرامے پڑھائے تھے میکبتھ جولیس سیزر اور آتھیلو مسٹر
لینگ ہارن کا علم وفضل آج انگلستان میں بھی سند متصور ہوتا ہے۔ انہوں
نے مجھے شیکسپیئر کے تخیل اس کے اسلوبِ نگارش اور اس کی نظم کی باریکیوں
سے اتنا آشنا کر دیا کہ بعد میں شیکسپیئر کے کسی ڈرامے کے نکات و رموز سمجھنے
میں کبھی کوئی مشکل نظر نہیں آئی۔ میں نے ۱۹۰۹ء کے آغاز میں سنٹرل ماڈل
اسکول لاہور کے اسٹیج پر میکبتھ کا پارٹ مسٹر لینگ ہارن اور مسٹر ٹائیڈمین
کے فیضِ تربیت کی بدولت اس خوبی سے ادا کیا کہ صرف اسکولوں اور کالجوں
ہی میں نہیں بلکہ انگریزی سوسائٹی میں بھی مدت تک اس کا چرچا رہا۔ خوش قسمتی
سے مجھے علی گڑھ کالج میں بھی ایک ایسی سعادت میسر آئی جس کی بدولت
فنِ تمثیل کی وہ باریکیاں میری سمجھ میں آگئیں جو ایک بلند پایہ ماہرِ تمثیل کی تربیت

کے بغیر اب تک میرے فہم و ادراک سے بالاتر تھیں۔ ڈاکٹر ڈنی کلف کیمسٹری کے پروفیسر ڈراما کے تمام شعبوں سے اتنے واقف اور فن تمثیل کے ایسے ماہر تھے کہ ہندوستان کا کیا ذکر۔ اس وقت یورپ میں بھی ان کا ثانی مشکل ہی سے نظر آتا تھا۔ اس تعارف کے مقاصد کے لئے اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ میں نے فن تمثیل میں ان سے اس قدر سیکھا کہ پھر اور سیکھنے کی حسرت نہ رہی۔ ان کے علاوہ پروفیسر رینل اور پروفیسر پروبس جو انگریزی لٹریچر کے عالموں میں عام طور پر اور یورپین ڈراما کے ماہروں میں خاص طور پر امتیازی فضیلت رکھتے تھے، خوبی تقدیر سے اُس زمانے میں علی گڑھ کالج ہی میں پڑھاتے تھے۔ ڈرامے کے مختلف شعبوں کی فنی تحقیق و تدقیق میں مجھے ان دونوں اُستادوں سے بڑی اِمداد ملی۔

جب میں میرٹھ کالج میں آیا تو وہاں بھی طالعِ یاور کی مساعدت کو اپنا منتظر پایا۔ پرنسپل جیسس ڈراما کی علمی رموز سے بھی واقف تھے اور تمثیل کے فنی محاسن کی پرکھ بھی جانتے تھے۔ اس مجموعۂ کمالات کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا تو مجھ پر ڈرامے کی کائنات کے چودہ طبق روشن ہو گئے۔ یُوں تو میں نے ڈراما لکھنے کی مشق سنٹرل ماڈل سکول لاہور ہی میں شروع کر دی تھی مگر علی گڑھ کالج اور میرٹھ کالج میں تمثیل نگاری کے لئے ماحول کچھ ایسا سازگار پایا کہ میں نے ایک ڈراما سٹیج کے لوازم کو مدنظر رکھ کر لکھنا شروع کر دیا۔

حسنِ اتفاق سے ۱۹۱۱ء میں مجھے آغا حشر کی شاگردی کا شرف بھی حاصل ہو گیا۔ اُستادِ مرحوم نے مجھے اپنے اسلوبِ نگارش کا مقلّد پاکر میری تحریر پر کچھ ایسا رنگ چڑھایا کہ وہ رنگ آج تک پھیکا ہونے نہیں پایا۔ مجھے اس اعتراف سے مسرت حاصل ہوتی ہے کہ میں نے اپنی تمثیل نگاری کی ابتدا، حشر کی تقلید سے کی۔ اور انہیں کی زندگی میں اپنے ڈراموں کے مکالمات اور اشعار کچھ اس شان سے لکھے کہ انھوں نے بھی داد دی اور فرمایا کہ اُستاد اور شاگرد کی تحریر میں اب کوئی تمیز نہیں کر سکیگا۔

۱۹۱۴ء سے ۱۹۱۹ء تک کا زمانہ جہاں تک میری تمثیل نگاری کا تعلق ہے کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ مگر اس وجہ سے یہ زمانہ میری زندگی میں بڑی وقعت رکھتا ہے کہ میں نے ان چار پانچ برس میں اپنے وطن کے ان تمام مسائل کی چھان بین کر ڈالی جن کو آگے چل کر مجھے اپنے ڈراموں کا موضوع بنانا تھا اسی دوران میں کچھ تو دن رات کی دماغی کاوش اور کچھ شب و روز کی شہر نوردی کی بدولت میں نے وہ یادداشتیں مرتب کر لیں، جو زمانۂ مستقبل میں میرے افسانوں اور ڈراموں کا تار و پود بننے والی تھیں۔ اس تمام ذہنی کشمکش اور تجسّس و تفکّر کا نتیجہ یہ ہوا کہ میں نے فیصلہ کر لیا کہ سب سے پہلے میں اس زندہ لعنت کی بیخ کنی کے درپے ہو جاؤں جو عرفِ عام میں تو بازاری عورت کہلاتی ہے، مگر جہاں تک اس کی ذات کا تعلق ہے اس کی رسائی ان بارگاہوں

اور حرم سراؤں میں ہے جہاں چڑیا بھی پر نہیں مار سکتی۔ میں اس جھوٹ کو بے نقاب کر دینا چاہتا تھا کہ لوگ رسمی طور پر جس چیز کو بُرا کہتے ہیں اُسے بُرا نہیں سمجھتے اور وہ بڑے بڑے لوگ جو بازاری عورت کو بیسوا اور کنچنی کہہ کر پکارتے ہیں۔ اِسی بیسوا اور کنچنی کو اپنی بیوی بنانے میں تامل نہیں کرتے۔ بلکہ لبسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ جب یہ عورتیں کسی گھر میں قدم رکھتی ہیں تو اس کے دروازے اُن عورتوں پر بند ہو جاتے ہیں۔ جو اس گھر کو اپنا گھر سمجھ کر آئی تھیں۔ اور جنھوں نے اپنا سب کچھ قربان کر کے اس گھر کو آباد کیا تھا۔ اس آئیڈیل کو پیش نظر رکھ کر میں نے یہ جہاد اس شدت سے شروع کیا کہ ۱۹۱۴ء میں 'گناہ کی رات' کے عنوان سے اور ۱۹۱۷ء میں 'حسن کی قیمت' کے عنوان سے وہ دو مشہور افسانے لکھے۔ جن کی دھوم سارے ہندوستان میں مچ گئی، جن کو اس زمانے کے قریب قریب ہر ادبی صحیفے نے شائع کیا۔ اور جن کا ترجمہ ہندوستان کی قریب قریب ہر ایسی زبان میں ہو گیا جو لکھی اور پڑھی جا سکتی ہے۔ اس کے بعد میں نے ۱۹۱۹ء میں باپ کا گناہ لکھا۔ ۱۹۲۲ء میں یہ ڈراما کتاب کی صورت میں شائع ہوا۔ اور ۱۹۲۳ء میں پارسی ایلگزینڈرا تھیئٹریکل کمپنی کے اسٹیج پر دکھایا گیا۔ اس ڈرامے نے اس زمانے میں ہندوستان کے مجلسی نظام میں ہل چل پیدا کر دی۔ پرانے ناسور پر جب چوٹ لگی تو اس کا درد سب نے محسوس کیا۔ مگر جن معصوموں کی زندگیاں اس ناسور کے زہر سے تلخ ہو چکی تھیں۔ انہوں نے اسی چوٹ کو اپنی جراحت

کام ہم سمجھا۔ مجھے اس احساس سے بڑی مسرت حاصل ہوتی ہے کہ پچھلے بیس برس کے دوران میں یہ ناسور رفتہ رفتہ مندمل ہوگیا ہے اور اب ایسے لوگ روز بروز کم ہوتے چلے جاتے ہیں جو بازاروں میں جاجا کر گناہ کی کھلی دکانوں سے اپنی زندگی کی تباہی اور آخرت کی رسوائی خریدا کرتے تھے لیکن یہ دیکھ کر مجھے دُکھ بھی ہوتا ہے کہ شیطان نے اپنی تجارت کی کساد بازاری دیکھ کر جو دُکان بڑھائی تھی وہ اب نئے نئے سائن بورڈوں سے آراستہ ہوکر پھر کھُلنے لگی ہے۔ نام کی تبدیلی حقیقت کو تبدیل نہیں کر سکتی۔ بدکار عورت کسی نام سے بھی پکاری جائے، بازاری عورت کے سوا اور کچھ نہیں اور بازاری عورت کو جس قدر جلدی اس کے اصلی رنگ روپ میں دیکھ لیا جائے، نوع انسانی کی اخلاقی تعمیر کے لئے اسی قدر اچھا ہے۔

یاد رہے کہ میں مرد کو اس ذمہ داری سے سبکدوش نہیں کرتا جو عورت کی بدکاری کے باب میں اس پہ عائد ہوتی ہے۔ اسی ظالم نے آج سے ہزارہا برس پہلے اپنی ہوس رانی کے لئے عورت کو ایسی چیزوں کا لالچ دیا جنھیں غریب عورت اپنی عصمت جیسی نایاب متاع کو فروخت کئے بغیر حاصل نہیں کر سکتی۔ پھر انہیں جھوٹی آرائشوں کو عورت کا فطری مقتضا کہہ کر اس کی زیبائش بنا دیا۔ اور اس بات کو بھول جانے کی کوشش کی کہ بُری چیزوں کا اچھا نام رکھ دینے سے اُن کے اسباب و نتائج میں کوئی فرق واقع نہیں ہوتا

مرد نے عورت کو بدکاری سکھا کر اسے بڑے بڑے معزز ناموں سے یاد کیا ہے لیکن اس کی یہ کوشش نہ تو عورت کو بدکاری کی سزا ہی سے بچا سکی اور نہ وہ خود اس جُرم کے عواقب سے ہی محفوظ رہ سکا۔

یہ جگہ فلسفۂ حیات کے اس پہلو پر بحث کرنے کے لئے موزوں نہیں مگر میں اتنا بتا دینا چاہتا ہوں کہ میں نے اپنے مذکورۂ صدر دو افسانوں اور اس ڈرامے میں مرد کو عورت کی بدکاری کا ذمہ دار قرار دیا ہے۔ اور اس جرم کی پاداش میں اس کو ایسے شعلوں کی لپیٹ میں لے لیا ہے جن کا التہاب اس کی نسلوں نے محسوس کیا۔ اس حد تک کہ اس ڈرامے کا نام بھی اس سے پیش اندوز ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ قانونِ قدرت کی سزائیں ایک طرف، میں نے خود بازاری عورت ہی کو اس کی عصمتِ مجروح کا منتقم بنا دیا ہے۔ اور اس مظلوم کو ظلم کے ایسے مہیب ہتھیاروں سے سجایا ہے جن کی مہلک ضربوں سے سوسائٹی کا سارا نظام خونچکاں نظر آتا ہے۔

یہ بات کسی قدر وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ باپ کا گناہ اُردو زبان کا پہلا معاشری اور مجلسی ڈراما ہے۔ اس سے پہلے پرانے اساتذہ نے جو ڈرامے لکھے وہ یا تو تاریخی واقعات پر مبنی تھے یا انسانی فطرت کے ان چند مشہور و معروف تلونات پر، جن سے اس دُنیا کے قریب قریب ہر ملک کے باشندوں کی زندگی کبھی کبھی زہر آگیں ہو جاتی ہے۔ مثال کے طور پر گوپی چند

میں رانی پنگلا کی بیوفائی عورت کی فطرت کے اسی غیر معمولی تلون کی داستان ہے جس نے ڈنمارک کے شہزادہ ہیملٹ کی ماں کو اپنے شوہر اور اپنے بیٹے کی ہلاکت کا آلۂ کار بنادیا۔ ہیر رانجھا اور رومیو جولیٹ کے ڈراموں کے افراد کے ناموں کو اگر ایک دوسرے سے بدل دیا جائے تو جہاں تک قصّے کے پلاٹ کا تعلق ہے کوئی نمایاں فرق نظر نہ آئیگا۔ حاصلِ کلام جس زمانے میں باپ کا گناہ لکھا گیا تھا اُس زمانے میں ابھی ڈراما ہندوستان میں مجلسی معائب کو بے نقاب کرنے کا وسیلہ نہیں بنا تھا۔ مجھے افسوس ہے کہ میں نے بھی اس کے بعد کوئی ایسا مجلسی ڈراما نہ لکھا جو سوسائٹی کے ان بے شمار مسائل کو پیشِ نظر لاتا جن کے حل پر میرے وطن کے رہنے والوں کی خوشحالی کا دارومدار ہے۔

سنہ ۱۹۱۹ء میں پھر وہی اولڈ پارسی تھیئٹریکل کمپنی جو سنہ ۱۹۰۱ء میں چل چکی تھی ایک نئے دورِ حیات کی گرمجوشیوں کو اپنا دستور العمل بنا کر لاہور آئی۔ میں نے اسی زمانے میں مسٹر کیچن سیکرٹری پنجاب ہیلتھی بورڈ اور اپنے پرانے اُستاد مسٹر ٹائیڈمین کے ایما پر یورپ کے اس ہنگامہ کارزار کے متعلق جس نے تمام ممالکِ شرق و غرب کو سنہ ۱۹۱۴ء سے اس وقت تک اپنی ہلاکت خیز تباہ کاریوں میں مبتلا کر رکھا تھا، جنگِ فرنگ کے نام سے ایک ڈراما لکھا اسے اسٹیج کرنے کے سلسلے میں میری ملاقات اولڈ پارسی تھیئٹریکل کمپنی کے

مالک سیٹھ اردیسر دادا بھائی ٹھونٹی سے ہوئی۔ اردیسر دادا بھائی ٹھونٹی، خورشید جی بالی والا کاؤس جی کھٹاؤ اور سہراب جی اوگرا کے ہمعصر اور انہیں کے پائے کے ایکٹر تھے۔ اُردو زبان کے محاورے سے خوب واقف تھے۔ اگرچہ خود شعر نہ کہتے تھے مگر شعر کو خوب سمجھتے تھے۔ موسیقی کے تمام ارکان میں ایسی مہارت رکھتے تھے کہ بایدوشاید سچ تو یہ ہے کہ اس فن کا ایسا ماہر تھیٹریکل کمپنیوں کے مالکوں میں میری نظر سے کوئی نہیں گزرا۔ گیت مرتب کرنے اور ان کو مناسب اور موزوں راگ راگنیوں میں بٹھانے کا فن میں نے انہیں سے سیکھا۔ ٹریجڈی کی طرف ان کی طبیعت بہت راغب تھی۔ اور ٹریجک پارٹ خود اس خوبی سے ادا کرتے تھے۔ کہ ان کے مکالمات ان کے احساس کے آئینہ دار ہو جاتے تھے آواز میں وہ جلال تھا کہ اسٹیج تو کیا، سارا تھیئٹر تھرتھرانے لگتا تھا۔ میری ملاقات کی ابتدا، اگرچہ محض رسمی طور پر ہوئی۔ مگر ان کی نوازشوں نے بہت جلدی مجھے ان کا گرویدۂ احسان بنا دیا۔ اور میں نے ان کی کمپنی کے لئے بھیشم پرتگیا کا ڈراما لکھا۔ بھارت کے سمراٹ شانتنو کے ولی عہد دیوبرت کے مہیب عہد کی عظمت میرے قلب و دماغ پر اسی وقت سے طاری تھی، جب میں نے اپنی طالب علمی کے ایام میں تاریخ ہند کے اس روشن باب کا مطالعہ کیا تھا۔ مدت سے میری آرزو تھی کہ عظمتِ ہند کی اس پُروقار داستان کو ڈرامے کے رنگ میں پیش کروں۔ سیٹھ اردیسر دادا بھائی ٹھونٹی کی قدر شناسی نے اس پرانی آرزو

کو عملی جامہ پہنایا۔ ۱۹۲۰ء میں بھیشم پرتگیا اولڈ پارسی تھیٹریکل کمپنی کی اسٹیج پر دکھایا گیا۔ یہ ڈراما خاص و عام میں اس قدر مقبول ہوا کہ سیٹھ اردیسر دادابھائی اسے اپنی متاع سفر بنا کر میرٹھ کی نوچندی منانے چلے گئے۔ اگرچہ باپ کا گناہ مسودے کی صورت میں میرے پاس تیار تھا۔ لیکن ابھی تک نہ تو کتاب کی صورت میں شایع ہوا تھا اور نہ اسٹیج ہی پر دکھایا گیا تھا۔ سیٹھ اردیسر دادابھائی نے اس ڈرامے کو ویسے تو بہت پسند کیا۔ اور اسی کی نظم و نثر کو سن کر بھیشم پرتگیا کے لکھنے کی فرمائش کی۔ مگر وہ پارسی تھے اور ان کی طبیعت کسی ایسے مجلسی مسئلے کی طرف مائل نہ تھی جس کا تعلق سوسائٹی کے کسی خاص طبقے سے ہو۔ اس کے علاوہ وہ کاؤس جی کھٹاؤ کی مہابھارت اور رامائن کی کامیابی سے اس قدر متاثر تھے کہ انہیں کے رنگ ڈھنگ کا کوئی ایسا ڈراما چاہتے تھے جس کا تعلق مہابھارت یا رامائن کی داستانوں سے ہو۔ بھیشم پرتگیا کے پلاٹ میں ان کو جو امکانات نظر آئے وہ ان کے نزدیک اس ڈرامے کے قصے میں نہ تھے۔ ۱۹۲۲ء میں محمد سیٹھ اور حبیب سیٹھ کی ایلگزنڈرا کمپنی لاہور آنکلی۔ بھیشم پرتگیا کی بدولت اب میرے نام سے تھیٹریکل کمپنیوں کے مالک واقف ہو چکے تھے۔ انسان کی اپنی اپنی پسند ہوتی ہے۔ میں نے انہیں باپ کا گناہ کے کچھ سین سنائے۔ اس وقت یہ ڈراما شائع ہو چکا تھا۔ ان کو اس کی نظم و نثر ایسی پسند آئی۔ اور اس کی قیمت کے معاملے میں انہوں نے اس فراخدلی سے کام لیا۔ کہ میں اسے انہیں کی خدمت

میں نذر کرنے پر مجبور ہو گیا۔ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ ۱۹۲۲ء میں باپ کا گناہ پہلی مرتبہ شائع ہوا۔ اور ۱۹۲۳ء میں اسٹیج پر دکھایا گیا آج بائیس برس کے بعد اس ڈرامے کی دوبارہ اشاعت اس کے سوا اور کوئی معنی نہیں رکھتی۔ کہ گناہ نئی تہذیب کی شراب پی کر پھر پاگل ہو گیا ہے۔ اور میرے وطن کی سوسائٹی کو پھر ایک یاددہانی کی ضرورت ہے۔

حکیم احمد شجاع

آغاز

مسعود مرزا کا کمرہ

ہدایات :-

ایک سادگی سے آراستہ کمرے میں مسعود مرزا ایک تپائی کے قریب جس پر کتابیں اور کاغذ نہایت بے ترتیبی سے پڑے ہیں، ایک پہیوں والی آرام کرسی پر بیٹھے ہیں۔ ان کی عمر اب کوئی پچاس برس کی ہے، مگر فالج اور پیش از وقت بڑھاپے نے انہیں بہت ضعیف کر رکھا ہے۔ اس کمرے کی واحد زینت مسعود مرزا کی بیوی کی ایک قد آدم تصویر ہے۔

اس وقت وہ کسی کے انتظار میں ہیں اور بہت پریشان۔ وہ اپنی بے چینی کو ایک کتاب کے مطالعے میں غرق کر دینا چاہتے ہیں مگر بے چینی غالب ہے۔ لاچار کتاب کو پٹک کر اور اپنے بائیں ہاتھ سے عینک کو سنبھالتے ہوئے کہتے ہیں۔

مسعود مرزا۔ خداوندا کیا تیری مقدس مرضی یہی ہے کہ بزرگوں کے گناہ اولاد کی سزا بن کر ظاہر ہوں۔ قدرت کے انتقام کی پیاس کیا اب تک نہیں بجھی، کہ اب وہ اس بدبخت خاندان کی تیسری نسل کو اپنی مہیب سزاؤں سے ڈرا رہی ہے۔

آہ یہ جھکی ہوئی کمر جسے توڑ دینے کے لئے اب ایک تنکے کا بوجھ بھی کافی ہے، اس مصیبت کے پہاڑ کو برداشت نہ کر سکے گی۔ میرے دل کا پیمانہ جو پرانے مصائب کی یاد سے لبریز ہے، اب کسی اور غم کی تاب نہیں لا سکے گا۔

(گھبرا کر) عابد اب تک نہیں آیا۔ وہ کیوں نہیں آیا!

[بے چین ہو کر اپنے آپ کو کرسی کے ایک پہلو کی طرف پٹک دیتے ہیں۔]

میری سزاؤں کی لمبی فرد ابھی تک تمام نہیں ہوئی۔

(عینک لگا کر اور کتاب ہاتھ میں لے کر پھر پڑھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ عابد ان کا معتبر اور پرانا ملازم پشت کی طرف کے دروازے سے داخل ہوتا ہے۔ اور ان کو اس حالتِ اضطراب میں دیکھ کر رک جاتا ہے)

عابد (خود بخود) نہیں سن سکیں گے، نہیں سن سکیں گے۔ میرے ضعیف آقائے نعمت کے بدنصیب کان اپنی امیدوں کے خون کی داستان نہیں سن

سکیں گے ۔

کہوں کیسے ترے اُجڑے چمن میں پھر خزاں آئی
ترے برباد گھر پر پھر بلائے ناگہاں آئی
تراخرمن جلانے کو پھر اک برقِ تپاں آئی
قضا بن کر تری قسمت پھر اے آتش بجاں آئی
یہی ڈر ہے کہ دل کی آرزو دل میں نہ رہ جائے
دلِ بیتاب آنکھوں سے لہو بن کر نہ بہہ جائے

(عابد ناچارہ آگے بڑھ کر اور سر جھکا کر کھڑا ہو جاتا ہے ۔ مسعود مرزا اس کے پاؤں کی آہٹ سے چونک کر کتاب پھینک دیتے ہیں اور ہمہ تن انتظار ہو کر سوال کرتے ہیں)

مسعود ۔ عابد آخر تم آئے ۔ کہو کیا جواب لائے ۔

(عابد خاموشی سے پھر سر جھکا لیتا ہے)

مسعود ۔ عابد تُم چُپ کیوں ہو ۔ بولو ۔ میرے کان تمہاری آواز کے پیاسے ہیں ۔ میری زندگی صرف ایک فرض ادا کرنے کے لئے موت کے بلاوے کو ٹال رہی ہے ؎

عمر بھر کی مری محنت نہ فنا ہو جائے
دل میں حسرت ہے کہ وعدے کی وفا ہو جائے

کاش دم بھر کے لئے بخت رسا ہو جائے
آخری وقت ہے اب فرض ادا ہو جائے
بولو، کچھ بھی ہو، کہو، جان سے بیزار ہوں میں
مت سنبھالو مجھے گرتی ہوئی دیوار ہوں میں

عابد۔ کیا عرض کروں۔ کیا کہوں۔

مسعود۔ جو کچھ شہزاد نے کہا ہے، جو کچھ تم نے سُنا ہے۔

عابد۔ وہ مجبور ہیں۔ وہ کوئی بات نہیں سُن سکتے۔ بس اس سے زیادہ نہ پوچھئے

مسعود۔ الٰہی ایسی کیا بات ہے جو زبان تک آنے سے پہلے تمہارے ہوش و حواس کو بے کار کر رہی ہے۔ عابد! عابد!! تمہاری خاموشی مجھ کو بے قرار کر رہی ہے۔

عابد۔ نہ پوچھئے سرکار میں صرف اس لئے نہیں کہتا کہ آپ کو صدمہ ہو گا۔ آپ اُن کی پیدائش کے دن کو رنج و الم سے یاد کریں گے۔ آپ مجھ کو........

مسعود۔ کہو میں تمہیں حکم دیتا ہوں۔ میرے حکم کی عزت کرو.......... عابد تم اب تک چُپ ہو۔ کیا بڑھاپے میں میری حکم منوانے کی طاقت بھی ضعیف ہو چکی ہے کہ تمہاری مرضی اس کے خلاف بغاوت کرنا چاہتی ہے۔

عابد۔ تو......... تو سُنئے جو اطلاع آپ تک پہنچی ہے۔ درست ہے

مسعود۔ [گھبرا کر] کیا۔

عابد۔ وہ شادی کا اقرار کر چکے ہیں۔

مسعود۔ کس سے۔

عابد۔ ایک بازاری عورت سے!

مسعود۔ بازاری عورت سے، عابد! عابد!! کس نے بازاری عورت سے شادی کا اقرار کیا ہے۔ تم نے کیا کہا؟ میرے کانوں نے کچھ دھوکا کھایا ہے۔

[دائیں طرف سے مسعود مرزا کا بیٹا شہزاد داخل ہوتا ہے]

شہزاد۔ آپ کے کانوں نے دھوکا نہیں کھایا۔ میری آنکھوں نے دھوکا کھایا ہے۔

مسعود۔ کیسا دھوکا! میں کیا سُن رہا ہوں۔ تمہارا چہرہ کیوں زرد ہوا جا رہا ہے۔ میری آنکھیں کیوں صاف صاف نہیں دیکھ سکتیں۔

شہزاد۔ وہ صاف صاف دیکھ رہی ہیں۔ وہ شرم کی اس کھُلی ہوئی کتاب کو صاف صاف پڑھ رہی ہیں۔

بے نور جس سے چشم، وہ نورِ نظر ہوں میں
دل لخت لخت جس سے، وہ لختِ جگر ہوں میں

برباد جس سے خرمنِ جاں وہ شرر ہوں میں
بدنام جس سے نامِ پدر وہ پسر ہوں میں

مسعود۔ شہزاد ہوش میں آؤ۔ اپنے بوڑھے باپ کی ضعیفی اور لاچاری پر ترس کھاؤ۔

تم راحتِ جاں ہو، مری آنکھوں کی ضیا ہو
میں برگِ خزاں دیدہ ہوں تم بادِ صبا ہو
ہاں مجھ سے کوئی پوچھے کہ میرے لئے کیا ہو
تم جانِ پدر! باپ کی پیری کا عصا ہو

شہزاد۔ میری عقل مجھے غلط رستہ دکھا رہی ہے۔ میرا دماغ مجھ سے بغاوت کر رہا ہے۔ مجھے اجازت دیجئے کہ میں سعادت مندی کی گردن میں نافرمانی کا طوقِ لعنت ڈالنے سے پہلے اس بیکار زندگی کو ختم کر دوں۔

مٹنے دو مجھ کو ہائے شرافت کا داغ ہوں
جو دن کی روشنی میں جلے، وہ چراغ ہوں
ٹھکرا دیا ہو سب نے جسے وہ ایاغ ہوں
جس کے لئے بہار خزاں ہو وہ باغ ہوں
مانگو دعا کہ صبح مبدّل بہ شام ہو
اس داستانِ غم کا بھی قصہ تمام ہو

[مسعود مرزا وفورِ غم سے سر جھکا لیتے ہیں]

عابد۔ ایسا نہ کہیئے سرکار۔ جن کانوں میں حضور کی درازیٔ عمر کی دعاؤں کے سوا اور کوئی آواز نہیں پڑی ایسے الفاظ نہیں سُن سکتے۔

آپ ہی سے گھر کی رونق ہے، یہ گھر آباد ہے
آپ ہی کے دم سے قائم خانداں کی یاد ہے
آپ سے وابستہ اُمیدِ دلِ ناشاد ہے
آپ کی ہستی بہارِ گلشنِ اجداد ہے
آپ مٹ جائیں گے تو یہ خانداں مٹ جائیگا
آپ کے مٹتے ہی نامِ رفتگاں مٹ جائیگا

مسعود۔ (دل ہی دل میں کچھ فیصلہ کر کے)

نہیں شہزاد میں صبر کر لونگا۔ میری زندگی کا آفتاب لبِ بام ہے۔ اس کو وقت سے کچھ پہلے غروب ہو جانے دونگا۔ مگر اے میرے مہرِ نیمروز تیرے اقبال کی ساعتوں کو زوال کی گھڑیوں میں تبدیل نہ ہونے دوں گا۔ آہ تمہارے بزرگوں کی خاموش اور برباد زندگی اِسی تجربے کی تلخی سے تمہیں بچانا چاہتی تھی مگر تم نہ بچ سکے۔

کبھی تو دیکھتے اپنے چمن کی خانہ ویرانی
یہ چشمِ اشک پرور۔ یہ شکن آلود پیشانی

کبھی تورات کو اُٹھ کر سُنی ہوتی فغاں میری
یہ آہِ شعلہ در داماں، یہ فریادِ تپاں میری
اسی آنکھوں کے دھوکے نے مٹا کر خاک کر ڈالا
مجھے چشمِ جہاں میں آج عبرتناک کر ڈالا

شہزاد۔ [حیران ہوکر] ابّا جان! آپ کیا فرما رہے ہیں۔

مسعود۔ جس سے تم کو عبرت حاصل کرنی چاہیئے۔ شہزاد تمہارے بد نصیب خاندان کی زندگی کا وہ باب جو آج تک تمہاری نظر سے پنہاں رہا ہے تمہارے سامنے آتا ہے۔ اِسے دیکھو! تمہارا غم نصیب باپ تمہیں اپنی مصیبت کی داستان سُناتا ہے اِسے سنو۔ اور پھر اپنے بزرگوں کے انجام کو دیکھ کر اپنے آغاز کی بنیاد رکھو۔

ماضی کی داستاں کو سنو گر ہے سر میں عقل
سمجھو مآلِ کار اگر کچھ بھی ہوش ہے
دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہے
میری سنو جو گوشِ نصیحت نیوش ہے

[منظر تبدیل ہوجاتا ہے اور مسعود مرزا کی زندگی کی داستان ڈرامے کی شکل میں پیش نظر ہوتی ہے]

پہلا باب

پہلا منظر

عشرت کا مکان

ہدایات:۔

عشرت اپنے مکان کے باہر ایک درخت کے سائے میں آرام کرسی پر بیٹھی سلائیوں سے رومال بُن رہی ہے۔ پاس ہی ایک جھولنے میں اس کا بچہ سو رہا ہے۔ عشرت کبھی کبھی اسے ایک ہلکا سا جھوکا دے دیتی ہے۔ خود اپنے شوہر کی یاد میں ایک نغمۂ بیتاب سے دل بہلا رہی ہے۔ کسی اندرونی جذبۂ بے اختیار سے مضطرب ہو کر عشرت جھولنے کے قریب جاتی ہے۔ اور بچے سے باتیں کرنے لگتی ہے اسی دوران میں مسعود، عشرت کا شوہر مکان کے برآمدے میں داخل ہوتا ہے اور عشرت کو بچے سے باتیں کرتے دیکھ کر رک جاتا ہے

عشرت [بچے سے]

دوائے دردِ دل ہے، مرہمِ زخمِ جگر تو ہے
مرے ارمان بھرے دل کی دعاؤں کا اثر تو ہے
مرا لختِ جگر تو ہے مرا نورِ نظر تو ہے
بہارِ حسن ہے نخلِ تمنّا کا ثمر تو ہے
بڑی آفت سہی ہے دُکھ اٹھایا ہے تری ماں نے
مٹا کر اپنی ہستی تجھ کو پایا ہے تری ماں نے

[عشرت جو مسعود کی آمد سے اب تک بے خبر ہے۔ بچے کو گود میں اٹھا لیتی ہے] بہارِ فطرت کے معطر پھول! آسمانِ مسرت کے جگمگاتے ہوئے ستارے! امی تجھے کس نام سے پکارے۔ آہ میں اس محبت کا جو مجھے تجھ سے ہے کیا نام رکھوں۔ میرے دل نے یہ جذبہ اس سے پہلے کبھی محسوس نہیں کیا۔ مجھے اتنی محبت کبھی کسی ....

مسعود [فوراً آگے بڑھ کر اور عشرت کی بات کاٹ کر] عشرت بس بس! میرا دل نہ توڑو۔ مجھے اس غلط فہمی میں مبتلا رہنے دو۔

عشرت [بچے کو جھولنے میں لٹا کر] نہیں پیارے مسعود میں تمہاری غلط فہمی کو یقین میں تبدیل کرنا چاہتی ہوں۔ پہلے مجھے تم سے محبت تھی۔ اب مجھے تمہاری محبت سے محبت ہے۔ آہ میں اس محبت کو دیکھنا چاہتی تھی

اپنے ہاتھوں سے، اپنے ہونٹوں سے اپنی آنکھوں سے اُسے محسوس کرنا چاہتی تھی قدرت نے اس محبت کا دلفریب بُت تمہارے بچے کی صورت میں ڈھال دیا ہے۔ جو چیز پہلے تمہاری پُرنم آنکھوں اور دھڑکتے ہوئے دل میں رہتی تھی۔ اب اس جھولنے میں جھول رہی ہے۔

مسعُود [پیار سے] عشرت مجھے اپنے بچے پر رشک آتا ہے۔ تم مجھے اسی دھوکے میں رہنے دو۔ مرد دھوکے میں رہنا پسند کرتے ہیں۔

عشرت [طنز سے] کیا اس لئے کہ مرد صرف دھوکا دینا ہی جانتے ہیں یا اس لئے کہ عورت کی محبّت پر صرف مرد کا جھوٹا پیار ہی غالب آسکتا ہے۔

مسعُود۔ نہیں نہیں عشرت مجھے رشک اس لئے ہے کہ تمہاری محبت جو اب تک صرف میری ملکیت تھی اس ننھے سے چور نے مجھ سے چرالی ہے۔ اس چھوٹے سے ڈاکو نے اپنے ہی گھر میں ڈاکا ڈالا ہے۔ آہ وہ چیز جو اب تک تمام کی تمام میری تھی اب نصف سے زیادہ بہت زیادہ اس کے تصرّف میں آگئی ہے۔

عشرت۔ مسعُود اب تم میری مصیبت کو سمجھ سکو گے۔ وہ مصیبت جو اس ظاہری راحت و اطمینان کے چمکیلے لباس میں بھی نہیں چھُپ سکتی۔ مسعود تم میرے ہو کر بھی میرے نہیں۔ میں تمہیں اپنا

کہتے ہوئے ڈرتی ہوں۔ مگر سنو یہ بچّہ میرا ہے۔ اس کو ماں کی آغوشِ محبّت سے کوئی طاقت جدا نہیں کر سکتی۔ اس کو تم بھی مجھ سے نہیں چھین سکتے۔

یہ ممکن ہے کہ دشمن مال و زر، لعل و گہر چھینے
یہ ہو سکتا ہے آنکھوں سے کوئی عیشِ نظر چھینے
یہ آساں ہے کہ تم کو مجھ سے کوئی سیم بر چھینے
مگر مشکل ہے ماں کی گود سے لختِ جگر چھینے

مسعود۔ پیاری عشرت تم اس وہم سے اپنے نازک دل کو نہ دکھاؤ۔ میں تم سے کئی بار کہہ چکا ہوں کہ میں اس راز کے افشا کے لئے صرف وقت کا انتظار کر رہا ہوں۔ اس بے کار فکر میں اپنے آپ کو نہ گھلاؤ۔ خدارا اپنے حسن اور شباب پر ترس کھاؤ۔

عشرت۔ میرے شباب کا حسن، میرے حسن کا شباب مسعود تم ہو۔ مجھ پر صرف تم ترس کھا سکتے ہو۔ جب تم نے میری سوتی ہوئی امنگوں کو، اپنی محبت اور وفا کے وعدوں کی روشن کرنوں سے بیدار کیا تھا تو تم نے یہ کب کہا تھا کہ تم اتنی دیر تک مجھ کو میرے حق سے محروم رکھو گے۔

خبر کیا تھی کہ دل لے کر مکرنا تیری عادت ہے
نہ تھا معلوم یوں گھٹ گھٹ کے مرنا میری قسمت ہے

یہ مُنہ دیکھے کی ساری عاشقی کہنے کی چاہت ہے
تلوّن ہے طبیعت کا، نہیں مجھ سے محبت ہے
غلط تھا میرا ایمانِ وفا پر جو بھروسا تھا
ہوائے عیش کا جھوکا نہ تھا، دنیا کا دھوکا تھا

مسعُود - نہیں عشرت نہیں - میں تمہارا تھا - تمہارا ہوں - اور تمہارا ہی رہوں گا -

عشرت - مگر دنیا کی نگاہوں میں تم میرے نہیں ہو - بیوی اپنے شوہر کی ملکیت کا کوئی ثبوت بھی چاہتی ہے

مسعُود - [بڑھ کر اسے پیار کرتے ہوئے] نکاح نامہ تمہارے پاس موجود ہے -

عشرت - آہ کاغذ کا ایک پُرزہ، جسے اگر تم تسلیم نہ کرو تو اب گواہوں کی غیر موجودگی میں دُنیا کی ہر عدالت اُسے ایک فرضی اور جعلی دستاویز ٹھیرا سکتی ہے -

مسعُود - پیاری عشرت یہ ایک وہم ہے - جس کا کوئی عِلاج نہیں - [بات ٹالنے کے لئے] ہاں وہ لفافہ کہاں ہے جو تمہاری والدہ نے مرتے وقت تمہیں دیا تھا -

عشرت - میرے پاس رکھا ہے -

مسعود ۔ تم نے دیکھا بھی اس میں کیا لکھا ہے ۔

عشرت ۔ نہیں ، مجھے اس کو کھولنے یا پڑھنے کی اجازت نہیں ۔

مسعود ۔ پھر اس کو دیکھنے کا وقت کب آئے گا ۔

عشرت ۔ جب میری اُمید کا ٹمٹماتا ہوا چراغ بجھ جائے گا ۔

مسعود ۔ یعنی ۔

عشرت ۔ جب غریب اور لاوارث عشرت کا کوئی سہارا نہ رہے جب مجھے اس بھری دُنیا میں کوئی اپنا نظر نہ آئے ۔

مسعود ۔ اُس وقت ۔

عشرت ۔ اُس وقت ، والدہ کی وصیت ہے کہ یہ سر بمہر لفافہ دیکھے یا پڑھے بغیر مکتوب الیہ کو بھیج دیا جائے ۔

مسعود ۔ یہ کوئی جادو ہے یا طلسم کہ اسے کوئی دوسرا نہ پڑھ سکے ۔

عشرت ۔ کچھ نہیں ۔ صرف ایک ماں کی محبّت کا تجویز کیا ہوا علاج جو شاید اس کی بے کس بیٹی کے لئے کارگر ہو سکے ۔

مسعود ۔ خیر اگر ایسا ہے تو اس کے استعمال کا وقت کبھی نہیں آئے گا ۔

عشرت ۔ خدا ایسا ہی کرے ۔

مرے دل کی خوشی تم سے ہے میری زندگی تم سے
مرے گھر کی اندھیری رات کی ہے روشنی تم سے

مسعود۔ تو یہ روشنی یہ خوشی ہمیشہ کے لئے تمہاری ہے۔

عشرت۔ مگر تم اب تک میرے نہیں ہو۔ میں صرف اتنا جانتی ہوں کہ میں تمہاری ہوں۔ مسعود دیکھو ایک عورت کی آرزوؤں کو سمجھنے کی کوشش کرو۔ اس عورت کی آرزوؤں کو جو اب تمہارے بچے کی ماں ہے یہ مانا کہ نکاح نامہ میرے پاس محفوظ ہے مگر اس نکاح کے دونوں گواہ اب اس دُنیا میں شہادت دینے کے لئے نہیں آسکتے۔ اگر میری زندگی کی خوشی کے لئے نہیں تو اپنے بچّے کی آئندہ زندگی کے لئے دنیا کو بتادو کہ یہ غریب عشرت تمہاری بیوی اور اس کا بچّہ تمہارا بیٹا ہے۔ اب دُنیا بھر کی عورتیں اس تعلق سے بے خبر ہیں۔ اور تم پر ایک ایسی جائداد کی طرح جس کا کوئی مالک نہ ہو قبضہ کرنے کے لئے تیار ہیں تمہارے والد کی مرضی ان میں سے کسی ایک کو اس جائداد کا قبضہ دلا سکتی ہے۔

مسعود۔ میری عشرت! میری اپنی عشرت!! میں آج ہی جاؤنگا۔ اور اس دروازے کو جسے ایک مکّار عورت نے میرے بوڑھے باپ کی کمزوریوں سے فائدہ اٹھا کر میرے لئے بند کر دیا ہے، کھٹکھٹاؤں گا ذراسی دیر اور انتظار کرو۔ میں اس تکلیف کو ایک غیر فانی راحت میں تبدیل کر دوں گا۔

بہاروں سے بدل جائیگا یہ عہدِ خزاں اک دن
اشاروں پر چلے گا تیرے دورِ آسماں اک دن
حقیقت بن کے ظاہر ہوگا یہ رازِ نہاں اک دن
تجھے میرا مجھے تیرا کہے گا اک جہاں اک دن

[عشرت وفورِ محبت اور سرشاریٔ اُمید سے بے اختیار، اپنی پیاری کُھلی ہوئی باہیں مسعود کے گلے میں ڈال دیتی ہے]

پردہ

دوسرا منظر

نواب ثریّا جاہ کے محل کا ایک حصّہ

ہدایات:۔

مرزا عقیل کمرے کے دروازے سے نکل کر برآمدے میں آتا ہے۔ اسی برآمدے سے ایک خوش وضع زینہ محل سرا کی دوسری منزل کو جاتا ہے جس کی کھُلی ہوئی کھڑکیاں نظر آرہی ہیں۔ اس منزل کا داخلی دروازہ اسی زینہ پر کھُلتا ہے۔ بالائی منزل کی کھُلی ہوئی کھڑکیوں میں سے بہار کبھی چلتی پھرتی نظر آتی ہے۔ کبھی بناؤ سنگار میں مصروف۔ تھوڑی دیر کے بعد مرزا عقیل اور ناز کی آواز سُن کر وہ سامنے کھڑکی کے پاس آجاتی ہے اور ان کی باتیں سنتی ہے۔ پھر یکبارگی کچھ سوچ کر اس دروازے میں آجاتی ہے جو زینے پر کھُلتا ہے۔

مرزا عقیل ۔ دولت مندوں کے لئے ہے ۔ یہ دُنیا اور اس کی ہر نعمت صرف دولت مندوں کے لئے ہے ۔ ذلت ، رسوائی ، احتیاج مفلسی ہی کے عام فہم نام ہیں ۔

اس غریبی ہی سے پامال بشر ہوتا ہے
اس سے ہی عزّت و عصمت کو خطر ہوتا ہے
زر سے انسان کا ہر عیب ہنر ہوتا ہے
زر ہو گر پاس تو پتھر بھی گہُر ہوتا ہے
زر سے مٹی میں بھی پارس کا اثر ہوتا ہے

[دائیں جانب سے ناز جو ممتاز جہاں کے نام سے عقیل کی بہن کہلاتی ہے ۔ اور اب نواب ثریّا جاہ کی بیگم کی حیثیت سے اس محل میں موجود ہے ۔ داخل ہوتی ہے]

ناز ۔ غریبوں کو نفرت سے دیکھنے والے انسان ایک غریب زندگی کے لئے تیار ہو جا ۔ اب قسمت تیرے اقبال سے انتقام لیا چاہتی ہے ۔ ہوشیار ہو جا ۔

عقیل ۔ ناز یہ تُم کہہ رہی ہو ؟ ہا ہا ہا ۔ وہی ناز جو غریبوں کو مجھ سے زیادہ نفرت کی نظر سے دیکھتی ہے ۔

ناز ۔ ہمارے اقبال کا سُورج ڈوب رہا ہے ۔ ہماری خوش قسمتی کا دن غروب

ہونے کو ہے۔ دولت کی ہرجائی دیوی جس کو ہم نے اپنے بس میں کر رکھا تھا۔ اب دوسروں سے آنکھیں لڑا رہی ہے۔

عقیل۔ کیا۔

ناز۔ نواب کی موت کا وقت آگیا۔

عقیل۔ ہا ہا ہا۔ تو یوں کہو کہ جس عمارت کی بنیاد رکھی گئی تھی تکمیل کو پہنچ گئی۔

ناز۔ نہیں بلکہ وہ دیوار جس نے باپ کو بیٹے سے جدا کر رکھا تھا اب ایک ہی دھکے میں گرا دی جائے گی۔ ناز اپنے جھوٹے محل سے ایک بدکار اور آوارہ عورت کی طرح نکال دی جائے گی۔

عقیل۔ نہیں ہو سکتا، جو دماغ ایک بوڑھے امیر کو بے وقوف بنا چکا ہے ایک جوان امیرزادے کو نیچا دکھانے میں ناکام نہیں ہو سکتا۔

ناز۔ میرا دماغ تھک گیا ہے۔ میری عقل کمزور ہو چکی ہے۔

عقیل۔ کمزور دشمن مکر و فریب سے کام لیا کرتا ہے۔ انسان شیر کو تیز پنجوں اور خونخوار دانتوں سے شکست نہیں دیا کرتا ہے۔

دام میں دشمن کو لانا چاہیئے تدبیر سے
چال سے مکر و دغا سے عقلِ پُر تذویر سے
بچ نہیں سکتا ہے انساں حُسن کی شمشیر سے
وار اِس کا تیز ہے تیغ و سنان و تیر سے

برقِ خرمن سوز ہے اک شعلۂ عریاں ہے حُسن
زہرِ شیریں، مرگِ ناگہ، دردِ بے درماں ہے حُسن

نازؔ۔ حسُن، جوانی کے بغیر ایک اوچھا ہتھیار ہے۔
عقیلؔ۔ تمہارے حسُن میں طاقت نہیں رہی تو دوسروں سے اُدھار لو۔
نازؔ۔ کوئی نظر نہیں آتا۔

[اسی وقت بہار جو اپنے آپ کو عقیل کی بیٹی اور ناز کی بھتیجی سمجھتی ہے اوپر کی منزل کے دروازے سے داخل ہو کر زینے کی شہ نشین پر نظر آتی ہے۔]

عقیلؔ۔ [بہار کی طرف اشارہ کر کے] اُدھر دیکھو بہار خوبصورت ہے، جوان ہے۔ اس کا حسُن اور جوانی غریبی سے لڑنے کے لئے مضبوط ہتھیار ہیں۔ بہار کے حسن کی طاقت کو آزماؤ۔ اس کی جوانی کے جال میں مسعود کی جوانی کو پھنساؤ۔
نازؔ۔ سمجھ گئی، جاؤ۔

[عقیل جاتا ہے]

نازؔ۔ بہت خوبصورت مگر بہت بدقسمت۔
بہارؔ۔ [نیچے اتر کر] کون پھوپھی امّاں۔
نازؔ۔ تم، تم۔ تمہارے سوا اور کون ہو سکتا ہے۔

بہار ۔ آپ کیا کہتی ہیں ۔
ناز ۔ جو تمہیں سننا چاہیئے ۔
بہار ۔ کیا؟
ناز ۔ یہی کہ حسن دولت کے بغیر ایک بد قسمتی ہے ۔
بہار ۔ میں کچھ نہیں سمجھی ۔
ناز ۔ سمجھنے کی کوشش کرو ۔

زور بے سود ہے گر ہاتھ میں تلوار نہیں
عقل بے کار ہے ، گر قدرتِ اظہار نہیں
علم بے مایہ ہے ، گر طاقتِ گفتار نہیں
حسن اک عیب ہے ، گر آدمی زردار نہیں
بے زری زندگی کو موت بنا دیتی ہے
حسن کو برسرِ بازار بکا دیتی ہے

بہار ۔ خدا آپ کو سلامت رکھے میں کیوں غریب ہونے لگی ۔
ناز ۔ جس شخص کے پاس اپنی دولت نہ ہو صرف مفلس ہے ۔ مگر جو شخص دوسروں کی دولت کی کمزور بنیاد پہ اپنی امیدوں کا محل تعمیر کرتا ہے مفلس بھی ہے اور بیوقوف بھی ۔
بہار ۔ تو میں قسمت سے کیسے لڑ سکتی ہوں ۔

ناز ۔ قسمت ؟ ہا ہا ہا ۔ نادان لڑکی ! قسمت ایک جھوٹ ہے ۔جسے انسان ایک پرانی عادت سے مجبور ہو کر بولتا ہے ۔ قسمت ایک فریب ہے جس سے صرف غریب اپنے آپ کو دھوکا دیتے ہیں ۔

بہانہ ہے غلط کاروں کے دل کی عذر خواہی کا
سہارا ہے یہ بے ہمّت غریبوں کی تسلی کا
یہ اک دلکش کھلونا ہے ہر اک بے کار ہستی کا
یہ قسمت راز ہے اِنساں کی قسمت کی خرابی کا

وہ بے ہمّت ہیں جو تقدیر کے دھوکے میں آتے ہیں
جو باہمّت ہیں اپنی قسمتیں خود ہی بناتے ہیں

بہار ۔ [چونک کر] تو مجھے کیا کرنا چاہیئے

ناز ۔ جو ہر حسین عورت کر سکتی ہے ۔ قدرت نے دولت کے سوا تمہیں سب کچھ دے رکھا ہے ۔ تم اپنی کوشش سے اس کمی کو بھی پورا کر سکتی ہو ۔

بہار ۔ یہ کام مشکل ہے ۔

ناز ۔ اسی لئے اسے کرنا چاہیئے ۔ دولت ، عزّت ، ترقی کوئی شخص آسانی سے حاصل نہیں کر سکتا ۔ گلاب کے پھول تک پہنچنے سے پہلے کانٹوں سے الجھنا پڑتا ہے ۔

غریبوں کا ہے ورثہ سہل انگاری ، تن آسانی
اسی کا ہے نتیجہ ، مفلسی ، ذلّت ، پریشانی

بہادر منزلِ دشوار کو آساں سمجھتے ہیں
شکستوں ہی کو اپنی فتح کا ساماں سمجھتے ہیں

بہار۔ تو آپ کیا چاہتی ہیں۔

ناز۔ یہی کہ مجھ کو پہچانو، مجھ کو سمجھنے کی کوشش کرو۔

بہار ۔آپ کو!

ناز ۔ہاں مجھ کو، بتادیں کون ہوں۔

بہار۔ میری پھوپھی۔

ناز ۔نہیں!

بہار۔ مرزا عقیل میرے باپ کی بہن۔

ناز ۔نہیں!!

بہار ۔نواب ثریا جاہ کی معزز بیگم۔

ناز ۔نہیں!!!

بہار ۔ممتاز جہاں

ناز ۔ نہیں!!!

بہار ۔تو پھر کون؟

ناز ۔ [اپنی طرف اشارہ کرتے ہوئے] یہ ممتاز جہاں، یہ نواب ثریا جاہ کی معزز بیگم، یہ مرزا عقیل کی بہن جو اس وقت تمہارے سامنے کھڑی ہے

آج سے دس برس پہلے صرف ناز تھی - ایک بازاری عورت -

بہار - [حیران ہو کر] آپ کیا کہہ رہی ہیں -

ناز - عمر بھر میں پہلی مرتبہ ایک سچی حقیقت اور وہ بھی اس لئے کہ تم میری بیٹی ہو -

بہار - میں آپ کی بیٹی!

ناز - ہاں میری بیٹی، تم صرف میری بیٹی ہو -

بہار - آپ کا مطلب -

ناز - ایک بازاری عورت کی اولاد اس بھری دنیا میں کسی شخص کو بھی باپ کہہ کر نہیں پکار سکتی -

بہار - [انتہائی غم کے احساس سے] افسوس!

ناز - [ایک ہوشیارانہ انداز مخمور میں] افسوس مت کرو، سنو، میں خوبصورت تھی، جوان تھی، عقلمند تھی، مجھ کو ایک بدنام زندگی ناپسند تھی، میں نے غریبی کا وار روکنے کے لئے مرزا عقیل کی غریبی کو اپنی ڈھال بنایا اُس کے باپ دادا کے نام کی عزّت سے اپنے اور تمہارے نام کی ذلّت کو مٹایا -

بہار - میں کچھ نہیں سمجھی -

ناز - [سمجھاتے ہوئے] عقیل کے آقا نواب ثریا جاہ کی بیگم کی وفات کے بعد

میں عقیل کی عصمت مآب بہن بن کر محل میں داخل ہوئی۔ میرے حسن وجمال کے کرشمے، میری عقل و تدبیر کے جادو نے نواب کو بیوقوف بنادیا اس کی دولت، اس کی عزت، اس کی مرضی پر آج میرا قبضہ ہے۔

بہار۔ آہ آپ نے کیا کیا۔

ناز ۔ جو تم کرسکتی ہو

بہار۔ کیا؟

ناز ۔ جس طرح میں نواب کو اندھا کر کے بڑی بیگم بن گئی۔ تم نواب کے بیٹے مسعود کو بے وقوف بنا کر چھوٹی بیگم بن جاؤ۔

بہار۔ وہ کیسے ؟

ناز ۔ ایک حسین اور جوان عورت سب کچھ کرسکتی ہے۔

بہار۔ کیا ماں اپنی بیٹی کو بدکار بنانا چاہتی ہے۔

ناز ۔ بدی کو نیکی میں تبدیل کرنے کے لئے صرف عقل کی ضرورت ہے۔

بہار۔ لوگ کیا کہیں گے۔

ناز ۔ تمہاری دولت ان کا منہ بند کردیگی۔

بہار۔ اس بُری زندگی سے کیا ہاتھ آئے گا؟

ناز ۔ دولت!

بہار۔ مجھے سوچنے کے لئے وقت دیجئے۔

نازؔ۔ بیوقوف لڑکی سوچنے کی ضرورت نہیں۔ وقت سے فائدہ اٹھانے کے لئے ہر جلدی دیر ہوا کرتی ہے۔

ہے وقت ایک سیف جو ہر دم ہے بے قرار
جو کام آج کا ہے نہ کل ہو گا زینہار
لنگر اٹھاؤ بادِ موافق کو دیکھ کر
کرتا نہیں ہے وقت کسی کا بھی انتظار

بہارؔ۔ [فیصلہ کر کے] میں تیار ہوں۔

نازؔ۔ [مطمئن ہو کر] اب تم ایک عورت ہو! اب تم میری بیٹی ہو!!

[اظہار اطمینان و مسرت کے لئے ناز بہار کو اپنے سینے سے لگا لیتی ہے]

پردہ

تیسرا منظر

نواب ثریّا جاہ کی خواب گاہ

ہدایات

نواب ثریّا جاہ مسعود کے والد بستر علالت پر بیماری کی تکلیف اور گزشتہ غلط کاریوں کی یاد شراب میں غرق کر رہے ہیں۔ شراب کے اثر سے درد رسیدہ دماغ بہک رہا ہے۔ ناز چپ چاپ آتی ہے مگر نواب ثریّا جاہ کو بظاہر شغلِ شراب میں محو دیکھ کر اور اُن کی بے سرو پا باتیں سُن کر واپس چلی جاتی ہے، پھر مرزا عقیل کو ساتھ لیئے دوسری طرف سے آتی ہے۔ اور اشارے سے اُسے نواب کی موجودہ حالت کی طرف متوجہ کرتی ہے۔

نواب۔ [جامِ شراب کو ہاتھ میں لے کر]

اے دشمنِ جاں خون سے مل دل کو دغا دے
اے ساغرِ مے عقل کو پیغامِ فنا دے
اِحساس کو اے آتشِ سیّال جلا دے
آ قوّتِ اِدراکِ حقائق کو مٹا دے
ہاں چھین لے ان تیز نگاہوں سے نظر کو
محرومِ عمل کر دے مرے قلب و جگر کو

[شراب کا جام پی جاتے ہیں]

[ناز اور عقیل دوسری طرف سے داخل ہوتے ہیں]

ناز۔ [علیحدگی میں] بوڑھا بیوقوف خود ہی اپنی موت کی تدبیر کر رہا ہے۔

عقیل۔ کرنے دو۔

ناز۔ مگر عقیل اس کو تھوڑی دیر اور زندہ رہنا چاہیئے۔ وصیت نامے پر ابھی تک دستخط نہیں ہوئے۔

عقیل۔ دستخط بنائے جا سکتے ہیں، مرنے کے بعد لوگ اپنے جعلی دستخطوں کے خلاف ثبوت پیش کرنے نہیں آیا کرتے۔

ناز۔ لیکن شراب کی مدہوشی ہمارے حق میں مفید نہیں ہو سکتی۔ نشے میں زبان دل کی بات کہہ دینے سے نہیں رُکتی۔

عقیل۔[جیب سے ایک شیشی نکال کر] اگر یہ مدہوشی مُضر ہے تو لو اسے بیہوش کر دو، اس کا ایک قطرہ پانی دوا یا شراب میں ملا کر پلا دو۔

[عقیل واپس جاتا ہے، نازہ آہستہ آہستہ آگے بڑھتی ہے۔ نواب ثریّا جاہ پھر جامِ شراب بھر کر اُٹھاتے ہیں۔ اور اب پہلے سے زیادہ سرور میں نظر آتے ہیں]

نواب۔[وفورِ کیف میں جامِ شراب سے مخاطب ہو کر] او بادۂ خونیں تیرے سُرخ رنگ میں میری عقل و ہوش کا خون جھلک رہا ہے۔ چھلک! چھلک!! اپنے خونیں حسن میں سرشار ہو کر اپنے متوالے کیف سے بے اختیار ہو کر اس قصرِ بلوریں میں چھلک!!! آہ مٹا دے، بُھلا دے میرے دماغ سے گزرے ہوئے زمانے کی ہر یاد کو مٹا دے۔

[اس جام کو بھی پی جاتے ہیں]

نازہ۔ [سامنے آکر اور اپنے دائیں ہاتھ کی آڑ میں تپائی کو لے کر] کیوں سرکار طبیعت کیسی ہے........ آج دشمنوں کی حالت کچھ زیادہ خراب نظر آتی ہے۔

نواب۔[تمسخر سے] ہاں تمہارے دشمنوں کی حالت زیادہ خراب ہے۔ بہت زیادہ خراب ہے۔

نازہ۔ [جھینپ کر] سرکار کیا فرماتے ہیں۔

نواب۔ بس اب تم مجھے اپنی شکل نہ دکھاؤ۔ جب تک میں زندہ ہوں میرے سامنے نہ آؤ۔

ناز ۔ سرکار! محبت کرنے والوں سے اتنی نفرت!

نواب۔ [غصہ کی بے بسی میں] ایک شریف شخص کے اعتبار کی اتنی ذلّت۔

[ناز چونکتی ہے مگر ہمت سے ٹالنا چاہتی ہے]

ناز ۔ آپ کی طبیعت پر بیماری کا اثر غالب ہے، ایک دو جام اور پی لیجئے، حکم ہو تو میں حاضر کروں۔

نواب۔ لاؤ پلاؤ۔ جس عمارت کی بنیاد تم نے اپنے ہاتھوں سے رکھی تھی اُسے آج اپنے ہی ہاتھوں سے تکمیل کو پہنچاؤ۔

[ناز اس بہانے سے پیٹھ پھرا کر ساغرِ شراب میں عقیل کی دی ہوئی دوا ملا دیتی ہے۔ اور اسے پیش کرتی ہے۔ نواب ثریا جاہ اسے ایک اِرادی تعجیل سے پی جاتے ہیں]

ناز ۔ سرکار ذرا لیٹ جائیے، تھوڑی دیر آرام فرمائیے، کہیں زیادہ بولنے سے کمزوری نہ بڑھ جائے، بیماری کا دورہ عود نہ کر آئے۔

نواب۔ [زہرخند ہو کر] ہاں میری زبان بند رہنی چاہیئے۔ تا کہ ممتاز کے راز نہ کھلیں، او حسین کافر، او خوبصورت دشمن جا تشویش نہ کر، میری زبان بند ہے۔ بند ہی رہے گی۔

[ناز اپنا اصلی نام سن کر گھبراتی ہے اور جانا چاہتی ہے]

مگر سنتی جا۔ یہ اس لئے نہیں کہ تیرے رازوں پر پردہ پڑا رہے۔ بلکہ اس لئے کہ میری بیوقوفی، میری شرم، میرے گناہ کا راز میرے مرنے سے پہلے نہ کھلے۔

ناز [علیحدہ ہو کر] اُف بنا بنایا کھیل بگڑ گیا۔ معلوم ہوتا ہے، نواب سب کچھ سمجھ گیا۔

[ناز بدحواس ہو کر چلی جاتی ہے۔ نواب ثریّا جاہ پر شراب اور دوا کا اثر غالب آجاتا ہے۔]

نواب۔ [ایک عالمِ بے خودی میں] یہی ہے انسان کی زندگی کا مآل۔ یہی ہے عمر بھر کی کوششوں کا انجام، آہ کیا وقت ہے، میری ساری زندگی کے حالات منجمد ہو کر ایک لمحے میں سما گئے ہیں، آہ میری آنکھوں کے محدود حلقوں میں سب گزرے ہوئے واقعات پھر زندہ ہو کر آ گئے ہیں۔

خبر تھی کیا کہ دو روزہ بہار ہوتی ہے
خوشی شباب کی بے اعتبار ہوتی ہے
بُرا کیا کہ نہ اتنا بھی آج تک سمجھے
بشر کی زندگی ناپائدار ہوتی ہے

[نواب ثریا جاہ سامنے کھلی فضا میں دیوار کی طرف دیکھتے ہیں]

جہاں انہیں خیال ہی خیال میں اپنے بیٹے مسعود کی شکل نظر آتی ہے]

آہ میرے بیٹے میں تیرا گنہ گار ہوں .... تو مجھے

سزا دینے کے لئے آیا ہے ! مجھ سے انتقام نہ لے ۔ .... میں

بوڑھا ہوں .... بہت کمزور ہوں .... میں تیرا

باپ ہوں ....

[مسعود کی یہ خیالی شبیہ غائب ہو جاتی ہے اور نواب ثریا جاہ

اضطراب کی کشمکش سے تھک کر گر جاتے ہیں ۔ پھر سنبھلنے

کی کوشش کرتے ہیں ، کہ ان کو اسی عالم خیال میں مسعود کی ماں

اور اپنی بہن زمانی کی شکل دکھائی دیتی ہے ۔]

نواب [انتہائی اضطراب میں] بیگم ! بیگم !! مسعود کی ماں کیا تم ہو ۔ نہیں نہیں میں

ابھی زندہ ہوں ۔ مرنے سے پہلے میں تم کو نہیں دیکھ سکتا ۔

[بہن کو پہچان کر]

ہیں زمانی میری بہن کیا .... تم کچھ کہنا چاہتی ہو ....

کہو .... بولو .... بولو .... لو میں

نے اپنے گناہوں کا کفّارہ ادا کر دیا ہے ۔

[اپنا تحریر کردہ ۔ وصیت نامہ تکئے کی تہ سے نکال کر دکھاتے ہیں]

نواب ۔ [یک لخت ایک انتہائی کرب سے بے چین ہو کر] اُف گرمی ! آگ !!

جہنم !!! یہ سب مل کر میری ایک ایک سانس میں سما گئے ہیں۔ دوزخ کے مہیب فرشتے مجھے میری زندگی ہی میں سزا دینے کے لئے آگئے ہیں۔

.... مسعود! مسعود!! میرے بیٹے آؤ، اپنے باپ کے پیاسے حلق میں پانی کا ایک قطرہ ٹپکاؤ۔ آؤ مجھے تسکین دینے کے لئے نہیں آتے تو اپنا حق لینے کے لئے آؤ۔

[سراپا انتظار بن کر ادھر اُدھر دیکھتے ہیں]

آہ تم نہیں آؤ گے۔ تم اپنے باپ کو اس کی آخری خوشی سے محروم رکھو گے .... مگر نہیں نہیں اس وصیت کو تمہارے بغیر اور کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ اس کاغذ میں تمہارے بزرگوں کی امانت محفوظ ہے۔ .... [کچھ یاد کر کے] ہاں! ہاں! تمہارے حق کی حفاظت یہ خاموش اور مضبوط دیوار کرے گی۔ مجھ سے زیادہ وفاداری سے کرے گی .... (ہچکی) ..... (ہچکی) ....

آہ اب میں زیادہ دیر زندہ نہیں رہ سکتا .... (ہچکی)

[اُٹھ کر لڑکھڑاتے ہوئے دیوار کی طرف بڑھتے ہیں۔ ایک خُفیہ بٹن کو دباتے ہیں۔ دیوار میں ایک دراز کھُل جاتا ہے۔ وصیت نامہ اس میں رکھ دیتے ہیں۔ مگر اس سے پیشتر کہ وہ بٹن دبا کر دراز بند کریں عقیل دوسری طرف سے داخل ہو کر سب کچھ دیکھ لیتا ہے]

عقیل (تعجب سے) ہائیں! دیوار میں، یہ درازہ کیسے کھلا .... نواب نے اس میں کیا رکھا ...... خیر دیکھا جائے گا۔

(نواب درازہ کو خفیہ بٹن سے بند کرکے پلنگ کی طرف جاتے ہیں۔ مگر عصبی کمزوری اور نزعی ہیجان میں مبتلا ہو کر گر جاتے ہیں۔ مسعود اس وقت بحالتِ پریشانی داخل ہوتا ہے۔ اور پلنگ خالی دیکھ کر گھبرا جاتا ہے)

مسعود۔ ابا جان!

(مسعود کی نظر زمین پر پڑتی ہے۔ وہ باپ کو اس حالت میں پڑا دیکھ کر متحیر و متاسف ہوتا ہے۔)

ابا! ابا!! آپ پلنگ چھوڑ کر زمین پر کیوں آرام فرما رہے ہیں .... اُف دشمنوں کی کیا حالت ہو گئی۔ .... ہیں اتنی بیہوشی ابا اُٹھئے! اُٹھئے!! .... ابا جان آنکھیں کھولئے آپ کا پیارا مسعود آپ کی دعا کا انتظار کر رہا ہے۔

(میز پر رکھی ہوئی صراحی سے پانی لے کر نواب کے حلق میں ایک گھونٹ ٹپکاتا ہے۔ اور پھر منہ پر چھینٹے دیتا ہے۔ نواب ثریا جاہ ایک اضطراری کیفیت سے آنکھیں کھول دیتے ہیں مسعود ان کو سہارا دیتے ہوئے پلنگ تک لے جاتا ہے)

نواب۔ [نیم بیہوشی کی حالت میں رُک رُک کر] مسعود ....
تم .... آگئے .... بیٹے .... جیو .... خوش
رہو۔ میں .... تُم سے .... رخصت ....
وہ .... دیکھو تمہاری ماں .... [ہچکی اور تڑپ]
م م م م مسعود و........
و........ وصیّت دیوار ....

عقیل۔ [علیحدگی میں] عقیل ہوشیار بڑھو .... نواب کو اس سے زیادہ کچھ نہ کہنے دو۔

[بھاگ کر نواب کے پاس جاتا ہے]

سرکار! سرکار!!

مسعود [اضطراب میں] ابّا! ابّا!!

[نواب ثریّا جاہ جاں کنی کے اضطراب میں مبتلا ہیں۔ اسی اثنار میں ناز عقیل کا تیار کیا ہوا جعلی وصیّت نامہ ہاتھ میں لئے داخل ہوتی ہے اور مسعود کو باپ کے پاس دیکھ کر ششدر رہ جاتی ہے]

ناز - [علیحدگی میں] اُف غضب ہُوا۔ مسعود آپہنچا۔

نواب [دیوار کی طرف دیکھتے ہوئے پھر سنبھالا لے کر] عشرت سے شادی.........

عقیل - [علیحدگی میں] عشرت ؟ کون عشرت !

[ذرا سی دیر کے لئے سوچتا ہے]

نواب نے یہ کس کا پتہ دیا [خود بخود ہی کچھ فیصلہ کرکے] خوب موقع ہاتھ لگا -

[علیحدہ ہوکر نازہ سے مخاطب ہوتا ہے] جاؤ بہار کو اپنے ساتھ لاؤ - مگر سنو آج سے تمہاری بیٹی کا نام بہار نہیں عشرت ہے -

[نازہ بھاگتی ہوئی جاتی ہے] اس وقت بہار کی موجودگی سے فائدہ اُٹھانے ہی میں حکمت ہے -

[عقیل پھر نواب کے پاس جاتا ہے اور جعلی وصیت نامہ دکھاتے ہوئے کہتا ہے -]

عقیل - جی ہاں ! جی ہاں - آپ کی وصیّت میرے پاس محفوظ ہے - اس کے حرف حرف کی تعمیل کی جائے گی -

[دوسری طرف سے ناز بہار کو لے کر داخل ہوتی ہے]

عشرت آگے بڑھو بڑے حضور کو سلام کرو -

[رونی صورت بنا کر اور نواب سے مخاطب ہوکر]

آپ اطمینان فرمائیں ، میاں مسعود کی شادی [بہار کی طرف اشارہ کرکے] عشرت ہی سے کی جائے گی -

مسعود (گھبراکر) عشرت۔ کون عشرت!

عقیل (بڑھ کر) میری بیٹی عشرت!

(مسعود متحیر ہو کر بہار کی طرف دیکھتا ہے۔ پھر افسردگی سے باپ کے چہرے کی طرف نظر پھراتا ہے۔ نواب ثریا جاہ بہار کی طرف دیکھتے ہوئے کسی لفظ کی ترکیب کی کوشش میں عصبی تشنج پر غالب آنے کی انتہائی کوشش کر رہے ہیں)

نواب۔۔۔۔۔۔۔ن۔۔۔۔۔۔۔۔ن۔۔۔۔۔۔۔۔ن۔۔۔۔۔۔۔ن۔۔۔۔۔۔

(عقیل افشائے راز سے خائف ہو کر بسرعت تمام نواب کی آنکھوں اور منہ کو اپنے ہاتھوں سے بند کر دیتا ہے۔ اور مسعود پر اپنی ظاہری کیفیت سے ظاہر کرتا ہے کہ نواب مر گئے)

عقیل۔ ہائے سرکار۔

مسعود (سراسیمہ و مضطرب ہو کر) ابّا! ابّا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔آہ

(پلنگ کی پٹی پر سر پٹکتا ہے)

(ناز اور بہار بھی ایک مصنوعی رنج سے اندوہگیں ہو جاتی ہیں)

پردہ

S. Safdar Hussain Zaidi

Mohd. [illegible] 22/5/59.

دوسرا باب

باب الرجعة

پہلا منظر

عشرت کے مکان کا ایک کمرہ

ہدایات:۔

(عشرت ایک سادگی سے آراستہ کمرے میں اپنے شوہر مسعود کے انتظار میں بیقرار ہے۔ اور ایک نغمۂ بیتاب سے اپنا دل بہلانے کی کوشش کر رہی ہے وہ گاتے گاتے ایک تپائی کے قریب آ کر جس پر مسعود کی تصویر رکھی ہے رُک جاتی ہے اور پھر فرطِ شوق سے تصویر کو اٹھا کر سینے سے لگا لیتی ہے۔

کچھ دیر کے بعد مسعود آتا ہے۔ مگر عشرت کو اپنی تصویر سے باتیں کرتے دیکھ کر رُک جاتا ہے۔ اس کی دماغی کیفیت اس وقت ایسی ہے کہ وہ عشرت کے جذبات کی قدر کرنے سے قاصر ہے۔ حالات کے تغیّر نے اس کی فطرت میں بھی ایک تغیّر پیدا کر دیا ہے۔ وہ اس تغیّر کو چھپانے کی ناکام کوشش کر رہا ہے۔

عشرت - تمہیں ہو تمہیں ہو، نورِ حُسن کی وہ روشن تنویر جس کی ایک جھلک دنیا کو حسین بنا دیتی ہے، تمہیں ہو زندانِ محبت کی وہ خوبصورت زنجیر جس کی ایک جھنکار انسان کو آزادی سے نفرت کرنا سکھا دیتی ہے،

شاعر کے خوابِ جوانی کی سچی سچی تعبیر ہو تم
مجبورِ جفائے الفت کی حیرانی کی تصویر ہو تم
تم حُسن کا چلتا جادو ہو۔ اس جادو کی تاثیر ہو تم
جادو ہو کہ افسوں کچھ بھی ہو اک عورت کی تقدیر ہو تم

[مسعود ایک شانِ بے پروائی سے جو اس کے اندرونی ہیجان کی غمّازی کر رہی ہے داخل ہوتا ہے۔ اور گفتگو کے لئے محض بہانے کی تلاش میں عشرت کی محویت سے فائدہ اُٹھاتا ہے]

عشرت - [مسعود کو داخل ہوتے دیکھ کر اور اس کی طرف محبت و التفات سے بڑھکر] مسعُود تم آگئے، آؤ میں تمہیں کو یاد کر رہی تھی۔

مسعُود - عشرت! یہ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے۔ تم ابھی ابھی کس سے باتیں کر رہی تھیں۔

عشرت - [ایک پُرحسرت انداز سے تصویر کی طرف اشارہ کر کے] یہ وہ ہے تم اب نہیں ہو۔ ہیں [مسعُود کی طرف اشارہ کر کے] اس مسعود سے نہیں

[تصویر کی طرف اشارہ کر کے] اس مسعود سے باتیں کر رہی تھی -

مسعُود - [حیرت سے] کیا -

عشرت - [پہلے سے زیادہ بیقراری سے] میں ان آنکھوں سے پوچھ رہی تھی - کہ یہ اب کیوں بدل گئی ہیں - میں اس دل سے دریافت کر رہی تھی کہ یہ اب کس کے پاس رہتا ہے -

مسعُود - [ذرا گھبرا کر] عشرت ! عشرت ! ! تم کیا کہہ رہی ہو -

عشرت - [اور زیادہ بے قرار ہو کر] میں اس سرد اور خاموش تصویر کو اپنی محبت کی حرارت سے زندہ کرنا چاہتی تھی - میں اس بے حس اور بے حرکت جسم میں اپنے دل کے اضطراب سے حرکت پیدا کرنے کی کوشش کر رہی تھی -

مسعود - [عشرت کے جوشِ محبت سے متاثر اور اپنی اندرونی کشمکش سے مجبور ہو کر اپنی آنکھیں دوسری طرف پھیر لیتا ہے] آہ میں مجبور ہو جاؤں گا -

عشرت - [آہستہ آہستہ اُس کے گلے میں باہیں ڈال کر] مسعود کاش تمہاری آنکھیں تمہاری تصویر کی آنکھوں کی طرح صرف میری ہی طرف دیکھ سکتیں - مسعُود میری طرف دیکھو ! دیکھو میری یہ آنسوؤں سے لبریز آنکھیں تمہاری بے پروا آنکھوں کے سامنے اس بیداد کی فریاد کر رہی ہیں -

مسعود [عشرت کی آنکھوں کے سامنے اپنے ہاتھ کی اوٹ کرکے] شراب کے ان چھلکتے ہوئے ساغروں کو ہٹالو، میں بیہوش ہو جاؤں گا۔ آج میں محبت کا پیغام لے کر نہیں آیا، تمہیں تمہاری محبت کا مرثیہ سنانے آیا ہوں۔ اسے سنو، اسے گاؤ اور موسیقار کے رقصِ فنا پرور کی آتشیں لے میں مست ہو کر اپنی زندگی کو اپنی ہی خاکستر میں مٹادو۔

[اس تقریر کو عشرت اس کیفیتِ مخمور میں سنتی رہتی ہے۔ جسے ایک محبت کرنے والی عورت ہی سمجھ سکتی ہے۔ اور پھر آخری جملے کے بعد یک لخت چونک پڑتی ہے]

عشرت ۔مسعود!

مسعود۔ [انتہائی رنج اور مجبوری کے عالم میں] تم عورت ہو تم مرد کی مجبوریوں کو نہیں سمجھ سکتیں۔

عشرت ۔[مسعود کی دردانگیز آواز سے متاثر ہو کر اور اپنی تمام شکایتیں بھلا کر] کیوں میری جان کے آرام تم بے آرام کیوں ہو یہ مجبوری کیسی؟

مسعود ۔مت پوچھو عشرت تمہیں صدمہ ہوگا۔

عشرت ۔تو کیا میں نے صرف تمہاری خوشیوں میں حصہ لینے کے لئے ایک مقدس عہد کو ناپاک کیا ہے۔ مجھ کو تمہارے رنج و الم میں شریک ہونے کا حق حاصل نہیں، کہو مسعود کہو تمہاری بیوی تمہارے رنج والم برداشت

کرنے کے لئے فولاد سے زیادہ مضبوط اور چٹان سے زیادہ پائدار ہے۔

[اور زیادہ لجاجت سے مسعود کے گلے میں باہیں ڈال کر]

مسعود تمہیں اپنی پرانی قسموں کی قسم، تمہیں اس غیر فانی عہد کی قسم۔

مسعود۔ [بات کاٹ کر] مجھے مجبور نہ کرو۔ مجھے کچھ نہ کہنے دو۔

عشرت ۔میں نہ مانوں گی مسعود تمہیں کہنا ہوگا۔

مسعود۔ تو سنو گی۔

عشرت ۔ ہاں

مسعود۔ سُن سکو گی!

عشرت ۔ ہاں

مسعود۔ [انتہائی حوصلے کو کام میں لاکر] میں تمہاری زندگی کی سب سے بڑی حسرت کو پامال کرنے پر مجبور ہو گیا ہوں۔ تمہیں تمہارا جائز حق دینے سے معذور ہو گیا ہوں۔

عشرت۔ [انتہائی کرب سے] کیا۔ کیا۔

مسعود ۔یہی کہ اب تم میری محبت کو دل سے مٹا دو۔

عشرت ۔[فوراً ایک قطعی فیصلہ کر کے ایک عالم وارفتگی میں] نہیں نہیں! یہ

نہیں ہو سکتا

نشانِ شمس و قمر آسماں سے مٹ جائے
بساطِ گلشنِ ہستی جہاں سے مٹ جائے
یہ جسم خاک ہو، کون و مکاں سے مٹ جائے
اُمیدِ عیشِ دلِ ناتواں سے مٹ جائے
مگر یہ حسرت جانسوز مٹ نہیں سکتی
یہ آرزوئے دل افروز مٹ نہیں سکتی

مسعود۔ عشرت اپنے دل کی بیتابی کو اس قدر نہ بڑھاؤ کہ وہ تھک کر ساکت ہو جائے میں مجبور ہوں۔ معذور ہوں۔ اب میں تمہاری محبت کے قابل نہیں رہا۔ صرف تمہارے رحم کا طلبگار ہوں۔

عشرت۔ [مایوسی، حسرت اور وفورِ احساس سے] مسعود مجھ کو تمہارے رحم کی تم سے زیادہ ضرورت ہے۔۔ دیکھو مسعود تم مرد ہو۔ تمہارے لئے محبت ایک کھیل ہے، عورت کا دل ایک کھلونا ہے۔ تم نے جب چاہا یہ کھیل کھیلا۔ اور جب چاہا اس مٹی کے کھلونے کو توڑ کر دُنیا کے اہم کاموں میں مصروف ہو گئے۔ مگر محبت کی آگ عورت کے دل کو جلا کر خاک کر دیتی ہے۔ اس کی آیندہ زندگی صرف ایک ہی مقصد کے لئے وقف ہو جاتی ہے۔ میرا مقصدِ حیات، میرا سرمایۂ زندگی تم

ہو۔ میں تمہیں نہیں چھوڑ سکتی۔

مسعود ۔ [بڑی مجبوری اور بیتابی سے] آہ میں کیا کہوں۔

عشرت [فوراً قطعی فیصلہ کر کے] اگر تم اس محبت کے حق میں کچھ کہنا چاہتے ہو تو کہو۔ میں اپنی عمر کی ساعتوں کو لاانتہا بنا دوں گی۔ اور تم جو کچھ کہو گے اُسے سنتی رہوں گی۔ لیکن اگر تم چاہتے ہو کہ اس کے خلاف کچھ بھی کہو، تو میں اپنی ناکام زندگی کو تمہاری محبت کی خونی چوکھٹ پر بھینٹ چڑھا دوں گی۔ اور اسی مسعود کے قدموں پر جس نے میرے حُسن کو اپنی محبت کا محتاج بنایا۔ اسی طرح اپنا دیکھ کر جان دے دوں گی۔

مسعود ۔ [بالکل بے بس ہو کر] عشرت میں کیا کروں، میرے والد کی وصیّت میرے رستے میں حائل ہو گئی ہے۔ یہ غلط ہے کہ اب میں تم سے محبّت نہیں کرتا، محبت کرتا ہوں، بہت کرتا ہوں، اپنی زندگی اور روح سے بڑھ کر کرتا ہوں، مگر آہ اپنے والد کی روح کو ناخوش نہیں کر سکتا۔

عشرت ۔ تمہارے والد کی روح ایک عورت کی زندگی کو برباد کر کے کبھی خوش نہیں ہو سکتی، مسعود ہوش میں آؤ، ایک مصنوعی فرض کی یاد میں محو ہو کر اپنے اصلی فرض کو نہ بھلاؤ۔ ایک روح کو خوش کرنے کے خیالی احساس سے دو زندگیوں کو خاک میں نہ ملاؤ۔

مسعود۔ [متاثر ہو کر مگر اس اثر کو زائل کرنے کے لئے عشرت کے پہلو سے اُٹھ کر] عشرت میں دیوانہ ہو جاؤں گا، میں مجبور ہو گیا ہوں، میں اب تمہارے لئے کیا کر سکتا ہوں۔

عشرت۔ [لجاجت سے گلے میں باہیں ڈال کر] مسعود، میرے شوہر تم اب بھی میرے لئے سب کچھ کر سکتے ہو۔ تم اب بھی میری ڈوبتی ہوئی کشتی کو تباہی کے بلاخیز طوفان سے بچا سکتے ہو۔ تم اب بھی ایک بے کس اور لاوارث عورت کو اپنی بیوی کہہ کر زندہ کر سکتے ہو، مسعود اپنی بیوی پر اپنے بچے کی ماں پر، اس عورت پر جو تمہاری محبت کی قربان گاہ پر اپنی روح، اپنی زندگی، اپنا سب کچھ قربان کر چکی ہے رحم کرو......
اچھا لو۔ اگر رحم نہیں کر سکتے تو انصاف کرو۔ انصاف نہیں کر سکتے تو ظلم کرو۔

[اس کے قدموں پر گر جاتی ہے]

اڑا دے ٹھوکر سے اس دلِ ناشاد کے ٹکڑے
مٹا دے مجھ کو اے بیداد گر، فولاد کے ٹکڑے
سزا دے دے دلِ بیتاب کو اپنی محبت کی
ملا دے خاک میں اس خانماں برباد کے ٹکڑے

مسعود۔ [بہت زیادہ متاثر ہو کر اسے اٹھاتا ہے اور گلے سے لگا لیتا ہے] عشرت میری

پیاری عشرت مجھے معاف کرو، ایک خیالی فرض نے مجھے اندھا کردیا تھا، مگر تمہاری محبت کے پُرنور اور روشن سورج کی شعاعوں نے میری آنکھوں کو بینائی، میری روح کو زندگی بخش دی۔ میں تمہارا ہوں، صرف تمہارا۔ اگر تمہاری محبت کی قیمت میں مجھ کو دنیا بھر کی دولت بھی ملے گی تو اس کو ٹھکرادونگا۔

عشرت ۔ [خوش ہوکر اور اس سے لپٹ کر] تو پھر پیارے مسعود تمہیں معلوم ہوجائے گا کہ بیوی کی محبت دنیا بھر کی دولت سے زیادہ قیمتی چیز ہے۔

[بغل گیر ہوجاتے ہیں]

پردہ

دوسرا منظر

محل سرائیں بہار کا آئینہ خانہ

ہدایات :-

[بہار اپنے حسن و شباب کے کیف سے سرشار اپنے آئینہ خانے کی خلوت میں ایک خوبصورت نغمے کی دلآویز لَے سے خراج تحسین وصول کر رہی ہے۔

عقیل اور ناز بڑے رازدارانہ انداز سے گفتگو کرتے ہوئے داخل ہوتے ہیں۔ بہار ان کو آتے دیکھ کر آئینے کے سامنے کھڑی ہو جاتی ہے۔ اور یہ ظاہر کرتی ہے کہ وہ ان کی آمد سے بے خبر ہے۔ مگر آئینے میں ان کی حرکات کا بغور مطالعہ کرتی رہتی ہے۔ اور کبھی کبھی ان کی باتوں سے متاثر ہو کر سوچ میں پڑ جاتی ہے]

ناز۔ [سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے] مسعود کی باتوں سے صاف صاف ظاہر ہوتا ہے کہ نواب نے مرنے سے پہلے اس کو کسی وصیت کا پتہ دیا ہے۔

عقیل۔ [بے پروائی سے] پھر؟

ناز۔ [تشویش سے] اگر یہ سچ ہے تو اس وصیّت کو بے حقیقت نہ سمجھو اس کا ایک حرف ہماری اُمیدوں کے دفتر کو منتشر کر سکتا ہے۔

عقیل۔ [اَور زیادہ بے پروائی اور اطمینان سے] یہ سب تشویش بے کار ہے۔ ایک کاغذ کا اثر مٹانے کے لئے دوسرا کاغذ تیار ہے۔

ناز۔ یعنی؟

عقیل۔ نواب کی طرف سے ایک جعلی وصیت نامہ، جس کی رُو سے نواب کی تمام دولت تمہارے ہاتھ آئے گی۔ نواب کی بیگم کل جائداد کی وارث قرار دے دی جائے گی۔

ناز۔ [دیوانہ وار خوش ہو کر]

ٹکڑے ہو عدو جس سے وہ شمشیر کہاں ہے
دشمن کی وہ بگڑی ہوئی تقدیر کہاں ہے
جاں دے تنِ بسمل کو وہ اکسیر کہاں ہے
چمکائے جو قسمت کو وہ تحریر کہاں ہے

عقیل ۔ [آہستہ آہستہ جیب سے وصیت نکال کر اسے تسلی دیتے ہوئے]

لایا ہوں ترے واسطے پیغام شفا لے
لے اس دلِ بیمارِ تمنا کی دوا لے
اس نقش سے آلامِ دلِ زار مٹا لے
اس سحر سے لے قسمتِ خوابیدہ جگا لے

[جعلی وصیت نامہ ناز کے ہاتھوں میں دے دیتا ہے]

ناز ۔ [پڑھتی ہے] .... "میرے بعد میری کُل منقولہ اور غیر منقولہ جائداد کی مالک میری بیوی ممتاز جہاں ہو گی"

[صرف یہی فقرہ پڑھ کر دفورِ مسرت سے بے خود ہو جاتی ہے]

اسی نقشِ سلیمانی سے قسمت کو جگاؤں گی
اسی سے دشمنوں کی عقل کو نیچا دکھاؤں گی
یہی تحریر تمہیدِ کتابِ خوش دلی ہو گی
یہی تحریر مرگِ ناگہانِ بے کسی ہو گی

[وصیت نامہ کو جیب میں ڈالنا چاہتی ہے]

عقیل ۔ [روک کر] ٹھیرو، یہ ہماری قسمت کا آخری پانسہ ہے۔ اسے سنبھل کر پھینکو۔

ناز ۔ تو کیا تم چاہتے ہو کہ دشمن کو وار کرنے کی اجازت دینے کے بعد اس کے

روکنے کا انتظام کیا جائے۔

عقیل - نہیں میرا خیال ہے کہ پہلے مسعود کو رام کیا جائے۔ زہر دینے سے پہلے میٹھی باتوں سے کام لیا جائے۔

ناز - صاف صاف کہو۔

عقیل - یہی کہ پہلے بہار کو اپنا کام کرنے دو۔

ناز - اگر یہ کام بہار کے ہاتھوں انجام نہ پا سکے۔

عقیل - [بہت اطمینان سے] تو پھر [ناز سے وصیت نامہ لے لیتا ہے] وصیت نامہ موجود ہے

[وصیت نامہ لے کر واپس جانا چاہتا ہے]

ناز - [بڑی منت سماجت سے] عقیل مسعود کو سوچنے کا موقع نہ دو۔ جاؤ اس کے دماغ پر سیاہ رات کے مہیب سائے کی طرح چھا جاؤ۔ اس کی عقل کو اپنا غلام بنا لو، اور جب وہ اپنی آنکھوں سے دیکھنے کی جگہ تمہاری آنکھوں سے دیکھے، جب اپنی سمجھ کی جگہ تمہاری سمجھ سے کام لے تو اس کو اپنی غرض کی تکمیل کے لئے ایک ذریعہ، اپنے مقصد کی تحصیل کے لئے ایک آلہ بناؤ۔

بس میں اپنے ہو وہ ایسی کوئی تدبیر کرو
کوئی درمانِ سیہ بختیٔ تقدیر کرو
مردِ آزاد کو پابستۂ زنجیر کرو

عقل کو قید کرو، فہم کو تسخیر کرو
حکم کرنا ہے تو آئینِ حکومت ہے یہی
ملک گیری کی ہوس ہے تو سیاست ہے یہی

عقیل [مسکراتے ہوئے] ناز اطمینان رکھو، بالکل اسی طرح جس طرح تم میرے سکھائے ہوئے سبق مجھے پڑھا رہی ہو۔ بہت جلد ہی مسعود میرے دماغ کا آئینہ، میرے ضمیر کی تصویر، میرے خیالات کی زبان بن جائیگا فیاضِ فطرت نے بہار کو ہر حسن سے آراستہ کر دیا ہے۔ اُسے اُس کے حسن کی طاقت سے آگاہ کرنا تمہارا کام ہے۔

[عقیل جاتا ہے۔ ناز بہار کے قریب جاکر اس کی طرف غور سے دیکھتی ہے۔ پھر اس سے سوال کرتی ہے]

ناز ۔ بہار تم نے کچھ سُنا۔

بہار ۔ [متوجہ ہو کر] میں سُن رہی تھی۔

ناز ۔ [اور قریب جاکر] کچھ سمجھیں۔

بہار ۔ [سوچ کر] سمجھنے کی کوشش کر رہی ہوں۔

ناز ۔ اِدھر آؤ میں تم سے کچھ پوچھنا چاہتی ہوں۔

بہار ۔ [آگے بڑھ کر] فرمائیے۔

ناز ۔ جو شخص تمہیں عزّت کی جگہ ذِلّت دے۔ جو تمہارا حق اپنی ہوس پرستی سے چھین

لے۔ اس کو کیا سمجھو گی۔

بہار ۔ دشمن

ناز ۔ دشمن سے کیا کرنا چاہیئے۔

بہار ۔ دشمنی۔

ناز ۔ دشمنی کس طرح دکھاؤ گی۔

بہار ۔ اپنا حق واپس لے کر۔ ذلّت کے بدلے ذلّت دے کر۔

ناز ۔ اگر وہ حق واپس نہ لیا جا سکے، اگر تمہارا دشمن تم کو تمہارا حق واپس نہ دے
تو اس کی کیا سزا ہے۔

بہار ۔ اِنتقام۔

ناز ۔ مسعود سے انتقام لو۔

بہار ۔ اُس کا قصور۔

ناز ۔ وہ ایک مرد ہے۔

بہار ۔ کیا سب مرد عورتوں کے دشمن ہوتے ہیں۔

ناز ۔ میں نہیں جانتی۔ مگر ایک مرد تمہارا دشمن تھا۔ جس نے ایک باپ کی بیٹی کہلانے کا حق تم سے چھینا۔ جس نے میری آبرو پر ڈاکا ڈالا جس نے میرے غریب ماں باپ کی عقل کو چاندی سونے کے جال میں پھنسایا۔ اور پھر میری سب سے زیادہ قیمتی، آہ ایک دفعہ کھو جانے کے بعد

کبھی ہاتھ نہ آنے والی دولت کو لوٹ کر مجھے پہلے سے زیادہ غریب زیادہ محتاج، زیادہ ذلیل کر کے چھوڑ دیا۔

بہار۔ [غصے میں] وہ کون تھا۔

ناز۔ مسعود کی جنس کا ایک شخص، ایک مرد، میں اسی ایک مرد کے جرم کا انتقام انسان کی نسل سے لے رہی ہوں۔ میں ایک مرد کے گناہ کی سزا آدم کی اولاد کو دے رہی ہوں۔ مگر میرے انتقام کی پیاس ابھی تک نہیں بجھی۔ میرے غصے کی آگ ابھی تک ٹھنڈی نہیں ہوئی۔

بہار۔ پھر؟

ناز۔ جواب میں نہیں کر سکتی، تم کرو، تم عورت ہو، مرد سے عورت کا انتقام لو، تم بیٹی ہو، مرد سے ماں کا انتقام لو۔

[جوش میں آکر]

مردوں سے لو تم ان کی شقاوت کا انتقام
ان خونیوں سے خونِ شرافت کا انتقام
پنہاں ہے انتقام کے پردے میں زندگی
روزِ ازل سے کام ہے فطرت کا انتقام

بہار۔ [فیصلہ کر کے] میں اپنا فرض ادا کروں گی۔

ناز۔ [ایک زخمی شیرنی کے جذبۂ انتقام سے] شاباش مسعود کے پاس جاؤ۔

اپنے ناز و انداز کا جال پھیلاؤ۔ اور جب وہ اپنی آنکھوں پر ہوس کی پٹی باندھ لے اور تمہارے حسن کے دام میں پھنس جائے تو اس کی دولت پر، آہ اس دولت پر جس سے یہ دولت مند غریبوں کی بیٹیوں کی، عصمت برباد کرتے ہیں، اس کی عزت پر، آہ اس عزت پر جو ان عزت داروں کو غریبوں سے نفرت کرنے پر مجبور کرتی ہے، قابض ہو جاؤ، اور پھر جب وہ اپنی کھوئی ہوئی دولت، اپنی لُٹی ہوئی عزت کا واسطہ دے کر تمہارے سامنے گڑگڑائے تو اسے دھتکار دو۔ اسی طرح جس طرح ایک مرد نے مجھے دھتکار دیا تھا۔ اسی طرح جس طرح اگر تم نے میرا کہا نہ مانا تو کوئی مرد تمہیں بھی دھتکار دے گا۔

غریبوں کے گھروں کی آبرو برباد کرتے ہیں
ہمیں ناشاد کر کے اپنے دل کو شاد کرتے ہیں
یہی ہیں رہزنِ ایماں یہی عزت کے ڈاکو ہیں
یہی مرد عورتوں کی دولتِ عصمت کے ڈاکو ہیں

[ناز بہار کو ساتھ لئے ہوئے چلی جاتی ہے]

پردہ

تیسرا منظر

مرزا عقیل کا خفیہ تہ خانہ

ہدایات :۔

(ایک کمرے میں مختلف قسم کے آہنی صندوق اور الماریاں رکھی ہیں سامنے ایک کیلنڈر لٹک رہا ہے جس پر پہلی جنوری کی تاریخ نمایاں ہے ۔ مرزا عقیل اور اس کے خفیہ کارندے جو اس کی بدکاریوں میں شریک ہیں، ایک گول میز کے گرد بیٹھے ہیں ۔ میز پر سامان مے نوشی موجود ہے

سب نشے کی ترنگ میں گا نا گا رہے ہیں ۔ مگر مرزا عقیل بہت غور سے کیلنڈر کی طرف دیکھ رہا ہے ۔ گانے کے بعد عقیل کسی اندرونی کیفیت سے مضطرب ہو کر اور اسی طرح کیلنڈر کی طرف دیکھتے ہوئے اپنی تقریر شروع کرتا ہے ۔ اس کے کارندے پہلے خوشی سے پھر حیرت سے اور پھر افسوس سے اس کی تقریر سنتے ہیں اور کبھی کبھی باہم سرگوشیاں کرتے ہوئے نظر آتے ہیں ۔

عقیل۔ یہی تاریخ تھی، بیس برس گزرے، جنوری کی پہلی تاریخ کو میری بیٹی پیدا ہوئی۔ آج ہی کے دن قدرت نے مجھ کو اپنی بخشش کا ایک زندہ ثبوت دیا۔ ایک عورت نے اپنی محبّت کا سب سے قیمتی تحفہ میری نذر کیا۔ اس لئے میری خوشی سے خوش ہونے والے دوستو اپنے اپنے ساغر بھرو اور اپنے دوست کی نورِ نظر کا جامِ صحّت نوش کرو۔

سب۔ [جام بھر کر اٹھاتے ہوئے] ہمارے سردار کی نورِ نظر زندہ رہے۔

[ایک اور جام بھرتے ہیں]

عقیل۔ [یک لخت افسردہ خاطر ہو کر] پی چکے، اب ان یادہ مسرّت سے چھلکتے ہوئے ساغروں کو توڑ ڈالو۔ آج ہی کے دن جنوری کی پہلی تاریخ کو اس دن سے پورے ایک برس بعد قدرت نے مجھ سے ایک مہیب انتقام لیا۔

[اپنا ساغر پھینک دیتا ہے]

سب۔ [متحیّر ہو کر] کیا۔

عقیل۔ میری بیوی میری بیٹی کو ساتھ لے کر کہیں روپوش ہو گئی۔

سب [اور متحیّر ہو کر] کیوں۔

عقیل۔ ایک بدکار باپ کو اس کے گناہ کی سزا دینے کے لئے ایک بدعہد شوہر سے اس کے جرم کا بدلہ لینے کے لئے۔

ایک کارندہ ۔ کیسا جرم

دوسرا ۔ کون سا گناہ

عقیل ۔ جس سے ایک مرد نے ایک عورت کی معصومیت کو جھوٹی قسموں اور کبھی پورے نہ ہونے والے وعدوں سے ٹھگا ۔

ایک کارندہ ۔ یہ عورت کون تھی ۔

عقیل ۔ ایک شریف گھرانے کی آبرو ۔ ایک معزز خاندان کی عزت ۔

دوسرا ۔ کون ۔

عقیل ۔ اس شہر کے سب سے بڑے امیر گھرانے کو جانتے ہو ۔ نواب ثریا جاہ کو پہچانتے ہو ۔

سب ۔ ہاں ۔

عقیل ۔ وہ —— اسی نواب ثریا جاہ کی بہن تھی ۔

ایک ۔ کیا وہی جو ایک عرصہ گزرا ، نواب کے کسی مصاحب کے ساتھ روپوشس ہو گئی تھی ۔

عقیل ۔ وہی ۔ اور یہ بھی جانتے ہو ، وہ مصاحب کون تھا ۔

سب [تعجب سے] کون ۔

عقیل ۔ میں

سب ۔ مرزا عقیل !

عقیل - مرزا عقیل جو آج سے پچیس برس پہلے صادق علی کے نام سے نواب کا سب سے زیادہ معتبر مصاحب تھا۔

ایک - مگر یہ سب کچھ کیوں ہوا۔

عقیل - اس لئے کہ محبت امیری اور غریبی میں تمیز نہیں کرتی ہے۔ اس لئے کہ محبّت کی آنکھ اندھی ہوتی ہے۔ نواب کی بہن کو مجھ سے محبّت ہوگئی۔ میں نے اُس سے خُفیہ طور پر شادی کرلی، دولت پرست نواب اس شادی پہ رضامند نہ ہوا۔ اور ہم کو یہ بُرا راستہ اختیار کرنا پڑا۔

سب - پھر کیا ہوا۔

عقیل - آہ وہ عورت جس نے ایک غریب شخص کی محبت کی خاطر اپنی دولت، اپنی عزّت، اپنی آبرو برباد کی تھی۔ میری روز افزوں بدکاریوں سے تنگ آکر، مجھ کو ایک دن بھی پہلے سے بہتر نہ پاکر میری بیٹی کو ساتھ لیکر غائب ہوگئی۔ انیس برس گزر گئے ہیں۔ مگر ان ماں بیٹیوں کا کہیں پتہ نہیں چلا۔ میں نے دُنیا کا کونہ کونہ چھان مارا، مگر ان کا سراغ کہیں نہ ملا۔

ان کی تلاش میں سرِ بامِ فلک گیا
ذرّوں کو چھان چھان کے زیرِ سمک گیا
اس شش جہت کے گوشے سے گوشے تلک گیا
اتنا چلا کہ پائے تمنّا بھی تھک گیا

سوئے ہوئے نصیب نہ لیکن جگا سکا
بچھڑے ہوؤں کا نام ونشاں تک نہ پا سکا

ایک کارندہ ۔ معزّز سردار جب ہم میں سے ہر جاں نثار تیرے چھوٹے سے چھوٹے غم پر اپنی بڑی سے بڑی خوشی قربان کرنے کے لئے موجود ہے تو یہ رنج والم بے سود ہے ۔

دوسرا کارندہ ۔

ہم کو شریکِ غم نہ بنایا بُرا کیا
یہ راز دوستوں سے چھپایا بُرا کیا
سوز دروں سے دل کو جلایا بُرا کیا
جلتے رہے پہ کچھ نہ بتایا بُرا کیا
غمخوار تھے رفیق تھے ہم غمگسار تھے
کچھ غیر تو نہیں تھے ترے رازدار تھے

عقیل ۔ اسی طرح انّیس برس سے اپنی سب سے بڑی خوشی اور اپنے سب سے بڑے غم کی سالگرہ مناتا ہوں ۔ مگر جس درد کا علاج اب تک نہیں ہو سکا آج اس کا مداوا تم سے چاہتا ہوں ۔

اندھی ہے آنکھ نورِ نظر کو کرو تلاش
بیتاب دِل ہے لختِ جگر کو کرو تلاش

تاریک شب ہے جاؤ سحر کو کرو تلاش
دن رات کی دُعا کے اثر کو کرو تلاش
لاؤ ملے کہیں سے بھی دل کے سرور کو
ڈھونڈو خدا کے واسطے آنکھوں کے نور کو

[نہایت مضطرب ہو جاتا ہے]

ایک کارندہ (تسلی آمیز لہجے میں) معزز سردار صرف اتنی سی بات کے لئے اِس قدر انتشار۔

دوسرا کارندہ۔ یہ رنج والم بے کار ہے۔ آپ کا ہر خادم یہ خدمت انجام دینے کے لئے تیار ہے۔

تیسرا

اگر تاریکیٔ شب میں سیاہی بن کے چھپ جائے
اگر قلزم کی گہرائی میں ماہی بن کے چھپ جائے

چوتھا

اگر ہو گُل کے پردوں میں نہاں بادِ صبا بن کر
اگر سورج کی کرنوں میں وہ مضمر ہو ضیا بن کر

پانچواں

کہیں ہو ہم تری نورِ نظر کو ڈھونڈ لائیں گے

سب
نہ جب تک اس کو اپنے ساتھ لائینگے نہ آئینگے
[سب جوش سے اُٹھ کر جانا چاہتے ہیں]

عقیل [اشارے سے روک کر اور سامنے آ کر] ٹھیرو اس سے پہلے ایک اور ضروری کام انجام دینا ہے۔

سب [بات کاٹ کر] کیا

عقیل مجھے بھی ایک عورت سے اس کے گُناہ کا انتقام لینا ہے۔

ایک ۔کس سے؟

عقیل ۔نواب ثریّا جاہ کی بیگم سے۔

ایک ۔جو حُکم۔

عقیل ۔یہی کہ نواب کی تمام دولت اور جائداد میری بیٹی کے ہاتھ آئے۔

دوسرا ۔ وہ کس طرح۔

عقیل ۔مسعود کی شادی میری بیٹی سے ہو جائے۔

ایک ۔کیا مسعود کہیں شادی کا انتظام کر رہا ہے۔

عقیل ۔نہیں ایک دوسرا شکاری اس کو اپنے دام میں پھنسانے کا اہتمام کر رہا ہے۔

ایک ۔ وہ کون ہے؟

[کمرے کے چور دروازے پر جو محل کی طرف کھلتا ہے دستک ہوتی ہے]

عقیل - کون -

ناز [دروازے کے پیچھے سے] دروازہ کھولو -

عقیل [کارندوں سے] اِن پردوں کی آڑ میں چھپ جاؤ - اور اس شکاری کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لو -

[سب چھُپ جاتے ہیں - عقیل دروازہ کھولتا ہے - ناز گھبرائی ہوئی داخل ہوتی ہے]

ناز - [گھبرائی ہوئی] عقیل عقیل!

عقیل [گھبراکر] اس قدر بے قرار کیوں ہو -

ناز - [بڑی مایوسی سے ایک کُرسی پر گر کر] آہ میری اُمیدوں پر پانی پھر گیا - میرے اقبال کا خیالی محل قسمت کی ایک ہی ٹھوکر سے گر گیا - تم میری عقل ہو - مجھے رستہ دکھاؤ - تم میرے ہمدرد ہو اس آڑے وقت میں کام آؤ -

عقیل - کچھ تو بتاؤ -

ناز - آہ مسعود کی شادی میری بیٹی سے نہیں ہو سکتی -

عقیل - کیوں

ناز - اس کی شادی ہو چکی ہے

عقیل - [گھبراکر] کب؟

ناز ۔ یہ میں نہیں جانتی ۔

عقیل ۔ کس سے ۔

ناز ۔ اس کا بھی مجھے علم نہیں ۔

عقیل ۔ تم سے کس نے کہا ۔

ناز ۔ خود مسعود نے

عقیل ۔ [تعجب اور گھبراہٹ سے ۔] کیا ۔

ناز ۔ یہی کہ عرصہ گزرا وہ شادی کر چکا ہے ۔ اور اب کسی دولت کے لالچ یا وصیت کے ڈر سے اپنی بیوی کو چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہو سکتا ۔

عقیل [کچھ سوچ کر] اس شادی کا کوئی ثبوت

ناز ۔ مسعود کے بیان کے مطابق ایک باضابطہ نکاح نامہ ۔

عقیل ۔ وہ کس کے پاس ہے

ناز ۔ اس کی بیوی کے پاس ۔

عقیل ۔ اس کی بیوی کے گھر کا کوئی نشان

ناز [یاد کرتے ہوئے] قاضیوں کے کوچے میں تیسرا مکان ۔

عقیل [مکان کا پتہ لکھ لیتا ہے] مسعود اِس وقت کہاں ہے ۔

ناز ۔ محل سرا میں ۔

عقیل [کچھ سوچ کر] اس کو وہیں روکو اور جب تک میں نہ آؤں کہیں جانے نہ دو ۔

ناز -اگر وہ جانا چاہے تو میں اُسے کیسے روک سکتی ہوں۔
عقیل ایک عورت کو اس سے زیادہ عقلمند ہونا چاہیئے۔
ناز -جلدی کہو کیا کیا جائے۔
عقیل -صرف آج کی شب مسعود کو محلسرا میں رکھنے کا انتظام
ناز -درست۔ مگر۔
عقیل -اگر مگر کچھ نہیں۔ یہ معاملہ بہت اہم ہے، کام زیادہ اور وقت کم ہے۔

[ناز جانا چاہتی ہے]

[روک کر] ہاں اگر وہ تمہارے قابو میں نہ آئے تو بہار سے کہو [الماری سے ایک شیشی نکال کر] اس دوا کا ایک قطرہ خاطر تواضع کے بہانے سے پان، پانی یا کسی چیز میں ملا کر اُسے کھلا دے۔

[ناز بڑی ہچکچاہٹ سے دوا لینے میں تامل کرتی ہے]

عقیل -مت ڈرو۔ مجھ پر اعتبار کرو۔

[ناز شیشی لے کر چلی جاتی ہے۔ مرزا اس کے جانے کے بعد دروازہ بند کر دیتا ہے]

عقیل -[خوشی سے] چالاک عورت اپنی چالاکی کے جال میں خود گرفتار ہو گئی۔ ناز! ناز!! تیری کوششوں سے صرف میری قسمت بیدار ہو گئی۔ اگر یہ خبر سچ ہے تو اس نکاح نامہ کو قابو میں لاؤنگا۔ اِسی سے ناز کی بیٹی

کی قسمت کو شکست دے کر اپنی بیٹی کی فتح کا نشان اُڑاؤنگا۔

[تالی بجاتا ہے۔ سب کارندے پردوں سے باہر آجاتے ہیں]

عقیل [کارندوں کو وہ کاغذ دکھا کر جس پر مسعود کے مکان کا پتہ لکھا ہے] لو، اس مکان کا پتہ لگاؤ، اور جب رات دن کی روشنی کو اپنی سیاہ فرغل میں چھپا لے تو تم موت اور سایہ سے زیادہ خاموش بن کر اس مکان میں گھُس جاؤ۔ اگر کوئی بکس، کوئی صندوق، کوئی تجوری، کوئی ایسی چیز جس میں ایک قیمتی کاغذ حفاظت سے رکھا جا سکتا ہے مل جائے تو اُسے میرے پاس لے آؤ۔ سمجھ گئے۔

عقیل

سب ۔سب کچھ۔

عقیل ۔جاؤ [کچھ سوچ کر] ہاں جب اپنا کام کر چکو۔

سب ۔تو!

عقیل ۔اس مکان کو آگ لگا دو۔

ایک مکان میں رہنے والوں کو۔

عقیل [فوراً اور زور سے] جلا دو۔

[رخصت ہونے کے لئے اشارہ کرتا ہے۔ سب چلے جاتے ہیں]

پردہ

چوتھا منظر

محل سرا کا ایک کمرہ

ہدایات :-

[مسعود اپنے ہاتھ میں عقیل اور نازہ کی تیار کی ہوئی وصیت لیے داخل ہوتا ہے۔ نازہ اس کے پیچھے پیچھے آ رہی ہے۔ ان کے اندازِ گفتگو سے صاف صاف ظاہر ہوتا ہے کہ نازہ مسعود کو بتا چکی ہے کہ وہ اپنے والد کی جائداد پر اسی صورت میں قابض ہو سکتا ہے کہ بہار سے، جسے اب وہ عشرت کے نام سے پکارتی ہے۔ شادی کرنے پر رضامند ہو جائے۔

عقیل اگرچہ مسعود کی شادی کے راز سے باخبر ہے۔ مگر وہ یہ بھی نہیں چاہتا کہ اس کی شادی بہار سے ہو جائے وہ سائے کی طرح نازہ اور مسعود کے ساتھ ساتھ رہتا ہے اور اس وقت بھی وہ ان کی نظر سے دور مگر ان کے بہت ہی قریب موجود ہے۔

مسعود۔ [وصیّت کو دیکھتے ہوئے] تو یہی ہے وہ وصیت جس کی دھمکی دے کر
آپ میری زندگی برباد کرنا چاہتی ہیں۔

ناز ۔ میں تم کو صرف دولتمند بنانا چاہتی ہوں۔

مسعود۔ میں ایسی وصیت کا پابند نہیں ہو سکتا۔

ناز ۔ اب تو مسعود تمہیں پابند ہونا ہی پڑے گا۔ وصیّت کی موجودگی میں اس
کی تعمیل ضروری ہے۔ میرے بس کی بات نہیں قانونی
مجبوری ہے۔

مسعود۔ کوئی مجبوری نہیں۔ یہ وصیّت والد مرحوم نے بے خبری کے عالم
میں لکھی ہے، اگر ان کو میری شادی کا علم ہوتا تو وہ کبھی ایسا تحریر
نہ کرتے۔

ناز ۔ [بے پروائی سے] خیر اب تو وہ تحریر کر چکے۔

مسعود ۔ اس لئے

ناز ۔ یا تو تم عشرت سے شادی کرنے پر تیار ہو جاؤ، یا اپنے باپ کی جائداد
سے دست بردار ہو جاؤ۔

مسعود ۔ میری شادی ہو چکی ہے، میں کسی دوسری شادی پر تیار نہیں ہو سکتا
یہ جائداد میری جائز وراثت ہے۔ میں اس سے دست بردار
نہیں ہو سکتا۔

ناز ۔ مگر سلطنت کا قانون کسی شخص کی ذاتی رائے سے تبدیل نہیں ہوسکتا اپنی جائداد کی تقسیم کے متعلق مالک وصیت کا حق نہیں کھو سکتا۔

مسعود ۔ یہ جائداد میرے والد کی پیدا کردہ جائداد نہیں ۔ اُن کی جدّی وراثت تھی ۔ اور اس لحاظ سے ان کے پاس ان کی زندگی تک امانت تھی ۔

ناز ۔ اور اس لئے اس امانت کے امین ہونے کی حیثیت سے انھوں نے جس کو مناسب سمجھا اس کا حقدار بنا دیا.

مسعود ۔ ان کو یہ اختیار نہ تھا ۔

ناز ۔ اس کا فیصلہ عدالت کرے گی ۔ اگر تم کو اس اختیار سے انکار ہے، اگر تم کو اپنا حق طلب کرنے پر اصرار ہے تو جاؤ عدالت کا دروازہ کھٹکھٹاؤ ، اور جب تمہاری شنوائی ہو جائے تو اپنے حق کی قانونی سند لے کر آؤ ۔

مسعود ۔ قانونی سند کی آپ کو ضرورت ہے ۔ قدرتی سند کے ہوتے ہوئے مجھ کو قانونی سند کی ضرورت نہیں ۔

ناز ۔ قدرتی سند آپ ہی کے حق میں سہی ، مگر دُنیاوی قانون اس کے حق میں ہے، جس کے قبضے میں یہ تحریر ہے

مسعود ۔ (فوراً تحریر کو اپنی لپشت کی طرف ہٹا کر) تو اس تحریر پر اس وقت میرا

قبضہ ہے۔

[ناز گھبرا جاتی ہے۔ مگر عین اسی وقت عقیل مسعود کے پس پشت دروازے سے داخل ہو کر مسعود کے ہاتھ سے وصیت نامہ چھین لیتا ہے۔]

عقیل۔ ہا ہا ہا۔ جس چیز کی حفاظت ایک عورت نہیں کر سکتی، اس کی حفاظت ایک مرد اچھی طرح کر سکتا ہے [ناز سے] بیگم صاحبہ آپ تشریف لے جائیے، چھوٹے میاں کو میں سمجھا لوں گا آپ تکلیف نہ فرمائیے۔

[مسعود بہت پریشان ہو کر غصے میں آ جاتا ہے۔ ناز چلی جاتی ہے]

مسعود۔ [عقیل سے] تم میرے معاملات میں دخل دینے والے کون ہو تمہارا اس ناواجب حرکت سے کیا مطلب ہے۔

عقیل۔ [نہایت سنجیدگی سے] میں اس تحریر کی رُو سے آپ کی جائداد کا محافظ اور اس کے وارثوں کا سرپرست ہوں۔

[سمجھاتے ہوئے حکمتِ عملی سے] چھوٹے میاں آپ ابھی کمسن ہیں۔ ناتجربہ کار ہیں۔

مسعود۔ [طنز سے] مگر آپ تو بہت ہوشیار ہیں۔

عقیل۔ (اسی فقرے سے فائدہ اٹھاکر) اسی لئے عرض کرتا ہوں کہ ہاتھ آئی ہوئی دولت کو یوں نہ ٹھکرائیے۔ اپنے باپ کی وصیت کو اس طرح ہنسی میں نہ اڑائیے۔

مسعود۔ تو آپ چاہتے ہیں کہ میں دولت کے لالچ میں اندھا ہوکر اپنی بیوی کا حق نہ پہچانوں۔

عقیل۔ یہ کون کہتا ہے۔

مسعود (پریشان اور خوش ہوکر) پھر آپ کا مطلب کیا ہے۔

عقیل۔ ذرا زمانہ سازی سے کام لیجئے۔ ان ماں بیٹیوں کو جھوٹے وعدوں ہی سے رام کیجئے۔

مسعود کیا اپنا مطلب نکالنے کے لئے جھوٹ بولوں۔ ایک گناہ سے بچنے کے لئے دوسرا گناہ کروں۔

عقیل جھوٹ بولنے سے آپ اتنا کیوں ڈرتے ہیں۔ دنیا کے دھندے اسی طرح چلتے ہیں۔

جھوٹ کو کیوں جھوٹ کہئے سچ سمجھ کر بولئے
جھوٹ سے گر کام بنتا ہو تو اکثر بولئے

مسعود مرزا صاحب یہ آپ کا داؤ مجھ پر نہیں چل سکتا ہیں قول دے کر نہیں بدل سکتا۔

عقیل - اچھا اگر ان ماں بیٹیوں کو اپنی کامیابی کا ذریعہ نہیں بنا سکتے تو مجھ سے معاملہ طے کیجئے -

مسعود - وہ کیا -

عقیل - اپنی نصف جائداد مجھے دلوا دیجئے، میں ان دونوں بلاؤں کو ٹھکانے لگا دوں گا - اس وصیت کا جھگڑا ہی چکا دوں گا -

مسعود - اپنی جائز وراثت سے محض ایک خیالی ڈر کے باعث دست بردار ہونا ناممکن ہے، بزرگوں کی محنت کی کمائی کو اوچھے قمار بازوں کی طرح ایسی بازی میں کھونا ناممکن ہے -

عقیل - خیر اس وقت آپ کی طبیعت پر غصہ غالب ہے ذرا آرام فرمائیے وہ دیکھئے چھوٹی بیگم صاحبہ تشریف لا رہی ہے - ان سے جی بہلائیے -

بہار - [ناز و انداز سے داخل ہو کر] لیجئے پان حاضر ہے -

عقیل - [جلدی سے اور اصرار سے] کھائیے کھائیے -

[تمسخرانہ انداز سے ایک پُراسرار اشارہ کرتے ہوئے چلا جاتا ہے]

مسعود - [بہار سے] جی نہیں میری بہت تواضع ہو چکی ہے، مجھے ان عنایتوں سے معاف فرمائیے - میں اس وقت بہت زیادہ تکلیف میں ہوں مجھے نہ ستائیے -

بہار ۔ تکلیف میں ہوں آپ کے دشمن [بڑھ کر منت سماجت سے] آپ ادھر تو آیئے، آپ کو میری جان کی قسم میرے ہاتھ سے پان تو کھایئے
[زبردستی کھلا دیتی ہے]۔

مسعود۔ لیجئے میں پان کھا چکا۔ اب مجھے اجازت دیجئے۔

بہار [بڑے پیار سے] اتنا ظلم تو نہ کیجئے [ہاتھ پکڑ کر] آیئے ذرا پائیں باغ میں چل کر ہوا کھائیں۔ پھر آپ کو جہاں جانا ہو چلے جائیں۔

تجھ کو اپنے لئے فرصت نہ سہی
ہم سے کچھ تجھ کو محبت نہ سہی
ہیں تری ایک نظر کے بھوکے
پیار کرنا تیری عادت نہ سہی

[بہار ایک دل کش نغمے سے، سوئی ہوئی امنگوں کو جگاتی ہے۔ اور مسعود کی بانہوں میں بانہیں ڈال کر اس کو پائیں باغ کی طرف لے جاتی ہے۔ مسعود پر دوا کے اثر سے ایک کیف اور خود فراموشی کا عالم طاری ہو رہا ہے۔]

پردہ

S. Safdar Hussain Zaidi

صفدر زیدی

صفدر زیدی

پانچواں منظر

عشرت کے مکان کا بیرونی حصّہ

ہدایات :-

[رات کے بارہ بجے کا گھڑیال دُور سے بجتا ہوا سنائی دیتا ہے۔ تاریکی اور خاموشی چھائی ہوئی ہے۔ مرزا عقیل کے خُفیہ کارندے سیاہ لبادے پہنے ہوئے چپ چاپ بڑی احتیاط سے داخل ہوتے ہیں اور کوچے کے مکانوں کا بغور جائزہ لیتے ہیں ایک مکان کے آگے آکر رُک جاتے ہیں - پھر رازدارانہ انداز میں گفتگو شروع کرتے ہیں۔

مکان کے اندر سے ایک بچّے کے رونے کی آواز مسلسل آرہی ہے۔ کبھی کبھی بظاہر ایسا بھی معلوم ہوتا ہے کہ کوئی مکان کے اندر سے دروازے تک پہنچ کر اُسے کھولنا چاہتا ہے۔ مگر پھر واپس چلا جاتا ہے۔ کارندے اس آہٹ کو سُنکر چوکنے ہو جاتے ہیں۔

پہلا۔ [کاغذ پر پتا پڑھتے ہوئے] قاضیوں کا کوچہ

دوسرا۔ [محلّے کا سائن بورڈ پڑھ کر] یہی ہے۔

پہلا۔ [پھر کاغذ دیکھ کر] اس میں تیسرا مکان۔

دوسرا۔ [فوراً بڑھ کر اشارے سے] وُہ ہے۔

پہلا۔ [قریب جاکر] دروازہ بند ہے یا کھُلا۔

تیسرا۔ [دروازہ دیکھ کر] بند۔

پہلا۔ مضبوط ہے یا کمزور

تیسرا۔ بہت کمزور۔

پہلا۔ [ذرا سوچ کر] تو ....

دوسرا۔ [دروازے کے ساتھ کان لگاکر] ٹھیرو۔

پہلا۔ [ذرا گھبراہٹ سے] کیا ہے۔

دوسرا۔ [اندازِ رازداری سے] سنو .... اندر کے دروازے پہ آواز ....

تیسرا۔ [کان لگاکر] ہٹ جاؤ کوئی آرہا ہے۔

[مکان کی آڑ میں چھُپ جاتے ہیں]

عشرت۔ [دروازے سے باہر نکل کر اور اِدھر اُدھر دیکھ کر] آدھی رات ہوگئی مگر مسعود تم اب تک نہیں آئے۔ بتاؤ اس اندھیری رات میں بے کس، بے بس عشرت تمہیں ڈھونڈنے کے لیئے کہاں جائے۔

خوابگاہِ ناز میں تم رات بھر سوتے رہے
ہم تمہاری یاد میں تڑپا کئے روتے رہے
غیر تو لُوٹا کئے آغوشِ راحت کے مزے
ہم فدا اِک حسرتِ دیدار پہ ہوتے رہے

[بہت پریشان ہوکر] بچّہ درد سے بلبلا رہا ہے۔ سسک رہا ہے مر رہا ہے، باپ گھر سے دُور اپنے رنگ محل میں عیش کر رہا ہے، کیا دولت کی محبّت اولاد کی محبّت پر غالب آگئی۔ کیا ایک نوجوان عورت کی چاہت اپنی بیوی کی الفت پر فتح پا گئی........ آہ بچّے کی یہ حالت دیکھ کر ماں کو کیسے صبر آئے۔ میرے پاس اور کون ہے جو کسی ڈاکٹر یا حکیم کو بُلائے.. .... نہیں نہیں میں خود جاؤں گی۔ عورت ہو کر ایک مرد کا، ماں ہو کر ایک باپ کا فرض بجا لاؤں گی۔

جیتے جی یوں تجھے بے پر نہیں دیکھا جاتا
تجھ کو یوں درد سے مضطر نہیں دیکھا جاتا
یوں اُجڑتے ہوئے یہ گھر نہیں دیکھا جاتا
اپنی بربادی کا منظر نہیں دیکھا جاتا
سر پہ سمجھوں گی ترے باپ کا سایا نہ رہا
کوئی بھی تیرے لئے اپنا پرایا نہ رہا

پہلا - (عشرت کی حالت سے متاثر ہو کر) ایک غریب عورت پر اتنی مصیبت ہے۔ آہ کس قدر قابلِ رحم حالت ہے۔

دوسرا - اب وقت کو ہاتھ سے نہ گنواؤ، قسمت نے اچھا موقع دیا ہے۔ اس سے فائدہ اٹھاؤ۔

پہلا - بیشک قسمت نے اچھا موقع دیا ہے اس سے فائدہ اُٹھا رہا ہوں۔

دوسرا - وہ کیسے۔

پہلا - اپنے کیئے ہوئے گناہوں پر پچھتا رہا ہوں۔

دوسرا - گناہ پچھتانے کے لئے نہیں کیئے جاتے، اعمال کے چاک خالی باتوں سے نہیں سیئے جاتے۔

پہلا - بیوقوف! خدا کی رحمت کا سمندر انسانی خیال کے اندازوں سے زیادہ بڑا ہے۔

یہ دِل گناہ سے جب شرمسار ہوتا ہے۔
قبولِ رحمتِ پروردگار ہوتا ہے
گناہ اشکِ ندامت سے پاک ہوتے ہیں
خزاں میں دورہ فصلِ بہار ہوتا ہے

دوسرا - او میاں عقلمند اگر سردار کے حکم کی تعمیل نہ کی تو سردار ناراض ہو جائے گا۔

پہلا - اگر اس غریب مصیبت زدہ عورت کو ستایا تو خُدا ناراض ہو جائے گا۔

ستم سے باز رہو قہرِ کبریا سے ڈرو
دُکھی کی آہ سے، بے کس کی بددعا سے ڈرو
خدا کے سامنے جا کر جواب کیا دوگے
ذرا تو شرم کرو ظالمو خدا سے ڈرو

دوسرا۔ نیکی بدی کے فلسفے پر بحث کرنے کی نہ ہم کو ضرورت ہے نہ فرصت، اگر آپ کو خدا سے ڈرنا ہے تو بسم اللہ قدم بڑھائیے۔ تشریف لے جائیے۔ کسی مسجد میں بیٹھ کر خدا کی یاد فرمائیے۔

پہلا۔ مگر کم از کم اس معصوم بچے پہ تو ترس کھاؤ۔ اس خوفناک کام کرنے سے پہلے اس کو تو باہر لے آؤ۔

معصوم ہے کچھ اس سے عداوت نہیں تمہیں
اس سے کوئی بھی وجہِ شکایت نہیں تمہیں
جس شے کی جستجو ہے اسی کو کرو تلاش
اس خونِ بے گنہ کی ضرورت نہیں تمہیں

تیسرا۔ ہم کو ضرورت نہ سہی، مگر ہمارے سردار کو اس کی ضرورت ہے۔

کیا ہے عہد اس سے ہم نے جب حاجت روائی کا
تو اب دعویٰ غلط ہے زہد کا اس پارسائی کا

بدی میں عمر گزری ہے پشیمانی سے کیا حاصل
لگائیں داغ کیوں ماتھے پہ جرم بے وفائی کا

پہلا۔ [ان سے علیحدہ ہو کر سوچتا ہے] ان پرانے پاپیوں کو قائل کرنا دشوار ہے۔ بدی سے لڑنے کے لئے بدی ہی ایک کارگر ہتھیار ہے۔ بہتر یہی ہے کہ اب ان کے ساتھ مل جاؤں، اور ان کو دھوکہ دے کر اس معصوم بچے کی جان بچاؤں

[زور سے ہنستا ہے]

دوسرا۔ [حیران ہو کر] یہ ہنسی کیسی۔

تیسرا۔ [غصے میں] ایسے نازک وقت میں یہ دل لگی کیسی۔

پہلا۔ دوستو! میں صرف تمہاری عقل پر ہنس رہا ہوں۔

دونوں۔ کس لئے۔

پہلا۔ تم اس قدر جلد گھبرا گئے۔ اس پرانے پاپی کی باتوں میں آگئے۔

فقروں میں میرے آکے سمجھنے لگے کہ میں
اک پارسا ہوں زاہدِ شب زندہ دار ہوں
میں وہ ہوں جس کے نام سے شیطان بھی ڈرے
گو دیکھنے میں خاک ہوں فطرت میں نار ہوں

دوسرا۔ [اس کے ہاتھ پہ ہاتھ مار کر]

تیسرا۔ ہا ہا ہا۔ میں بھی حیران تھا کہ آج معلم الملکوت کو خدا کا نام کیسے یاد آیا۔

پہلا۔ خیر اب اِن باتوں کو چھوڑو، اور اس بیوقوف عورت کے واپس آنے سے پہلے پہلے اپنا کام کر لو۔

دوسرا۔ ٹھیک۔

تیسرا۔ درست۔

پہلا۔ مگر

دونوں۔ کیا

پہلا۔ پہلے اس بچے کو باہر لے آؤ۔

دونوں۔ یہ کیوں۔

پہلا۔ وہ بیمار ہے، جاگ رہا ہے، تم کو دیکھ کر گھبرائے گا۔ شور مچائے گا اور یہ بنا بنایا کام بگڑ جائے گا۔

دوسرا۔ لیکن اگر وہ باہر آ کر شور مچائے۔

تیسرا۔ تو............

پہلا۔ میں اسے بے ہوشی کی دوا سنگھا دوں گا۔

[دوسرا تیسرے کو اشارے سے منع کرتا ہے]

تیسرا۔ [سوچ کر] مگر دوست یہ کام تم مکان کے اندر زیادہ اچھی طرح کر سکتے ہو۔

دوسرا۔ [مسکرا کر] بیشک۔

پہلا۔ [علیحدہ ہو کر] آہ یہ فقرہ بھی نہ چل سکا، خیر دیکھا جائے گا۔

دوسرا۔ کیا سوچ رہے ہو۔

پہلا۔ یہی کہ تمہاری تجویز میری تجویز سے بہتر ہے۔

تیسرا۔ تو پھر کیا دیکھتے ہو قدم بڑھاؤ۔

پہلا۔ پہلے تم جاؤ۔ میں دوا تیار کر کے آتا ہوں۔ اور اس کو ٹھکانے لگاتا ہوں۔

[جیب سے دو شیشیاں نکال کر ملاتا ہے]

دوسرا۔ [جاتے ہوئے] مگر دیکھنا دیر نہ ہو۔

پہلا۔ [ان کے جانے کے بعد] جس طرح آنکھ روشنی اور بینائی کے باوجود اپنے آپ کو نہیں دیکھ سکتی، ایک بُری طبیعت بدی کو اس کی تاریکی اور رُوسیاہی کے باوجود نہیں پہچانتی۔ او گمراہ بدکار و تمہاری آنکھ گناہ سے رنگی ہوئی ہے، نیکی بدی میں تمیز کرنا نہیں جانتی۔

نہ بدی سے ہے غرض تم کو نہ نیکی سے غرض
تم کو کچھ ہے تو فقط ظلم پرستی سے غرض

اے مصیبت زدہ عورت تیرے دکھے ہوئے دل کی ایک پکار نے میرے دل کو رحم کا بھولا ہوا سبق یاد دلا دیا۔ تیرے جلے ہوئے سینے کی ایک آہ نے مجھے خدا سے ڈرنا سکھا دیا۔

بچاؤں گا تجھے دشمن کے شر سے میں سپر بن کر
جلا دوں گا میں اُس کے عیش کا خرمن، شرر بن کر

اُسے معلوم ہو جائے گا نیکی کا ثمر کیا ہے
کسی بیکس کی راتوں کی دعاؤں کا اثر کیا ہے

[مکان کے اندر چلا جاتا ہے]

بچہ۔ [اندر سے] آہ آہ تم ...... تم ...... کون ہو؟ تم کیا چاہتے ہو۔

پہلا [اندر سے] میرے بچے مت گھبراؤ، یہاں آؤ۔ میرے پاس آؤ۔

[دونوں کا رندے ایک چھوٹا سا بکس لے کر نکلتے ہیں، پہلا کارندہ ان کے نکلتے ہی اندر سے دروازہ بند کر لیتا ہے]

دوسرا۔ تعجب ہے اس مکان میں اس بکس کے سوا اور کچھ نہیں ملا۔

تیسرا۔ شاید اسی میں وہ کاغذ موجود ہو۔

دوسرا۔ اسے کھول کر دیکھو تو سہی، کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ سب کوشش بے سود ہو۔

تیسرا۔ اسے بند رہنے دو، اسی طرح سردار کے پاس لے چلو۔

دوسرا۔ مگر اُسے تو آنے دو۔

تیسرا۔ وقت بہت کم ہے۔ دیر نہ لگاؤ، اُسے بلاؤ۔

[دوسرا دروازے کے پاس جاتا ہے اور دروازہ بند پاتا ہے]

دوسرا۔ [گھبراہٹ سے] اُف دغا باز چال چل گیا۔

تیسرا۔ مکان سے نکل کر کہاں جا سکتا ہے، جاؤ اس کو اس کی دغا بازی کا مزا چکھاؤ۔ مکان کو آگ لگا دو۔ اور اس بچے کے ساتھ اس کے ہمدرد کو بھی جلا دو۔

دوسرا۔ بہت ٹھیک۔

[مکان کو آگ لگا کر بھاگ جاتے ہیں۔ آگ کے شعلے بلند ہوتے ہیں اور محلے کے لوگ شور مچا مچا کر اِدھر اُدھر بھاگ دوڑ کر آگ بجھانے کی کوشش کرتے ہیں]

پہلا۔ آگ، آگ، آگ،

دوسرا۔ دوڑو، پانی لاؤ۔

تیسرا۔ دروازے کے سامنے سے آگ بجھاؤ۔

چوتھا۔ مکان کے اندر گھس جاؤ۔

اتنے میں عشرت سراسیمہ ہو کر داخل ہوتی ہے]

عشرت۔ آگ، آگ۔ میرے مکان میں آگ۔ خدایا میرا بچہ۔

[بھاگ کر مکان کے اندر گھسنا چاہتی ہے کہ عین اسی وقت پہلا کارندہ بچے کو اٹھائے ہوئے کھڑکی سے نکلتا ہے اور کمند پھینک کر اترتا ہے۔]

کارندہ [فوراً زور سے چلاتا ہے] زندہ ہے

ڈراپ سین

تیسرا باب

پہلا منظر

نواب ثریّا جاہ مرحوم کی خواب گاہ

ہدایات:۔

یہ وہی کمرہ ہے جس میں نواب ثریّا جاہ کا انتقال ہوا تھا اور جس کی دیوار میں نواب نے مرنے سے پہلے اپنی وصیّت کو چھپا دیا تھا۔ کمرے میں عقیل نہایت پُراسرار انداز سے نقل و حرکت کر رہا ہے۔ میز پر ایک شیشہ اور قسم قسم کے اوزار رکھے ہیں۔ وہ دیوار کے اس حصّے کو بغور دیکھ رہا ہے جس میں اس نے نواب کی وفات سے پہلے ایک دراز کھُلتے دیکھا تھا۔ مگر دیوار میں اس کا کوئی نشان نہ پاکر حیران رہ جاتا ہے۔ اس کی حیرانی آہستہ آہستہ پہلے غصّے میں اور پھر مایوسی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ وصیت کے راز سے وہ ناز کو بھی آگاہ نہیں کرنا چاہتا۔ اس کی ذہنی کشمکش اس کے چہرے سے عیاں ہے۔

عقیل ۔ [دیوار کو غور سے دیکھتے ہوئے] یہی کمرہ تھا۔ یہی دیوار تھی۔ یہی جگہ تھی مگر یہاں تو اینٹ چونے کی بنی ہوئی دیوار کے سوا اور کچھ نظر نہیں آتا۔ پھر یہاں وہ دراز کیسے کھلا!

[بجلی کا لیمپ جلا کر اس پر عکسی شیشہ رکھ کر دیوار پر روشنی ڈالتا ہے اور خوردبین سے دیوار کو دیکھتا ہے]

کسی تختے یا پتھر کا نشان تک نہیں، کیا میری آنکھوں نے دھوکا کھایا تھا۔

[گھبرا کر غصے میں آجاتا ہے]

رُلایا کی مجھے یہ گردشِ تقدیر برسوں تک
رہی شرمندۂ معنی مری تدبیر برسوں تک
نہ چمکا مطلعِ اُمید پر نورِ سحر گاہی
رہا محشر بداماں نالۂ شبگیر برسوں تک

[ایک کدال اٹھا کر زور سے دیوار پر مارنا چاہتا ہے کہ کوئی باہر کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے]

عقیل ۔ [ہاتھ روک کر] کون ۔

آواز ۔ ناز ۔

عقیل ۔ ٹھہرو ۔

ناز ۔ دروازہ جلدی کھولو ۔

[عقیل جلدی سے سب سامان چھپا دیتا ہے اور دروازہ کھولتا ہے]

عقیل۔ کیا ہے۔

ناز۔ مسعود تمہاری دوا کے اثر سے بے ہوش پڑا ہے۔

عقیل۔ تو اور کیا چاہتی ہو۔

ناز۔ ایک ضروری کام میں تمہاری امداد۔

عقیل۔ وہ کیا

ناز۔ بس یہی کہ جلدی سے قاضی کو بلا کر بہار اور مسعود کا نکاح نامہ لکھوا لو۔
اور اس عالم بے ہوشی میں مسعود سے اس پر دستخط کرا لو۔

عقیل [اپنے معمولی طریق کو بدل کر] مگر اس کی پہلی بیوی ابھی تک زندہ ہے۔

ناز۔ پھر اس سے کیا بگڑتا ہے۔

عقیل۔ سب کچھ۔

ناز۔ وہ کیسے

عقیل۔ جس عورت کی خاطر مسعود اپنے باپ کی وصیت، دولت، عزت
سب سے نفرت کرتا ہے، صاف ظاہر ہے کہ وہ اس سے تمہارے
اندازے سے زیادہ محبت کرتا ہے۔ ہوش میں آتے ہی وہ اس کے
پاس چلا جائے گا۔ اور تمہارا نکاح نامہ دھرے کا دھرا رہ جائیگا۔
تو پھر اس کانٹے کو رستے سے ہٹانے کی کوئی تدبیر؟

عقیل ۔ کردی گئی ہے ۔

ناز ۔ کیا ۔

عقیل ۔ اس وقت جب ہم تم باتیں کر رہے ہیں، اس کا نکاح نامہ میرے کارندوں کے ہاتھ میں ہوگا ۔

ناز ۔ اور اس کی بیوی ۔

عقیل ۔ تھوڑی دیر میں اس کی زندگی یا موت میرے حکم پر منحصر ہوگی ۔

ناز ۔ (اطمینان اور مسرت سے) میری خوش قسمتی کے فرشتے، ناز تیرا شکریہ جس قدر بھی ادا کرے تھوڑا ہے ۔

عقیل ۔ مگر اس شکریے کو عملی صورت میں ظاہر کرنے کا کوئی طریقہ بھی سوچا ہے ؟

ناز ۔ ناز خود تمہاری ملکیت ہے، ناز کی دولت تمہاری ہی دولت ہے ۔

عقیل ۔ یہ غلط ہے، میری دولت وہی ہے جو میرے قبضے میں ہو ۔

ناز ۔ اسے اپنے ہی قبضے میں سمجھو، مجھے تمہاری محبت پر پورا اعتماد ہے ۔

عقیل ۔ مگر ناز مجھے تمہارے وعدوں پر اعتماد نہیں ۔

ناز ۔ یہ کیوں ۔

عقیل ۔ دولت کی ہوس احسان و مروت کو بھلا دیتی ہے ۔ تم تو صرف ایک کمزور عورت ہو، سونے چاندی کی دیوی بڑے بڑے جواں مردوں کو نچا دکھا دیتی ہے ،

بشر زر کے نشے میں ماسوا کو بھول جاتا ہے
خلوص و الفت و مہر و وفا کو بھول جاتا ہے
کہاں کی دوستی کیسی مروّت، زر بُری شے ہے
کہ اس کو دیکھ کر انسان خدا کو بھول جاتا ہے

ناز ۔ پیارے عقیل اب سب کام بن چکا ہے ۔ اس کو نہ بگاڑو ہیں تمہارے حکم کی تعمیل کے لئے حاضر ہوں ۔ تم جو کچھ چاہتے ہو اپنی زبان ہی سے کہہ دو ۔

عقیل ۔ اپنی نصف جائداد میرے نام لکھ دو ۔

ناز ۔ مگر یہ جائداد میری نہیں ۔

عقیل ۔ کیا بہار تمہاری بیٹی نہیں ۔

ناز ۔ ہے ۔

عقیل ۔ تو اسی سے لکھوا دو ، یہ روز کا جھگڑا اچھا نہ ہوگا ، اسے آج ہی چُکا دو ۔

ناز (کچھ سوچ کر) اس کا فیصلہ تو بہار کے اختیار میں ہے ۔

عقیل ۔ بہار کی قسمت کا فیصلہ میرے اختیار میں ہے ۔

ناز ۔ (گھبرا کر) وہ کیسے ۔

عقیل ۔ سنو اگر وہ مجھ کو آدھی جائداد دینے سے انکار کرے گی تو ساری جائداد سے ہاتھ دھونے کا سامان اپنے ہاتھوں تیار کرے گی ۔

ناز ۔ کیوں

عقیل ۔ اس لئے کہ نواب نے اپنی وصیّت میں تم کو یا اس کو کچھ بھی نہیں دیا۔

ناز ۔ [پریشانی سے] تو کیا نواب نے کوئی اور وصیّت بھی تحریر کی ہے ۔

عقیل ۔ بیشک

ناز ۔ وہ کہاں ہے

عقیل ۔ میرے پاس ۔

ناز ۔ اس کا کوئی گواہ

عقیل ۔ ہے

ناز ۔ کون

عقیل ۔ مَیں

ناز ۔ تو تم نے مجھ سے پہلے کیوں نہ کہا ۔

عقیل ۔ میں وقت کا انتظار کر رہا تھا ۔

ناز ۔ عقیل عقیل بتاؤ اس میں کیا لکھا ہے ۔

عقیل ۔ بہت کچھ ، مگر سب تمہارے خلاف ۔

ناز ۔ کیا ۔ ذرا صاف صاف ۔

عقیل ۔ ابھی نہیں بتا سکتا ۔

ناز ۔ میرے پیارے عقیل اس وصیت کو جلادو، خاک میں ملادو۔
عقیل ۔ میری شرط مان لو، میں اسے جلادوں گا۔
ناز ۔ عقیل کیا یہی وفاداری ہے یہی مروّت ہے، تم دولت کس کے لئے چاہتے ہو۔ تمہیں اس کی کیا ضرورت ہے۔
عقیل ۔ ناز، دولت کی کس کو ضرورت نہیں ۔

ہے کونسا بشر جو ہے دولت سے بے نیاز
دولت ہے اس جہان کی ہر اِک خوشی کا راز
جتنی ہو کم ہے اس سے کبھی دل نہیں بھرا
اس کے لئے ہے شاہ بھی محتاج سے سوا

ناز ۔ [تنگ آکر] تو بولو، تم کیا چاہتے ہو۔
عقیل ۔ نواب کی نصف جائداد کا قبالہ۔
ناز ۔ اگر میں انکار کردوں تو
عقیل ۔ [بے پروائی سے] تو یہ وصیت نیلام کردی جائیگی۔ اس کو خریدنے کے لئے بہت لوگ تیار ہیں، جو شخص مجھ کو سب سے بڑی قیمت دے گا اسی کے حوالے کردی جائے گی۔
ناز ۔ [اندیشے سے] مثلاً۔
عقیل ۔ مسعود، اس کی بیوی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

نازہ ۔ [گھبرا کر اور بات کاٹ کر] نہیں نہیں، عقیل مجھ پر ترس کھاؤ۔ میری عمر بھر کی کوششیں مٹی میں نہ ملاؤ۔ لاؤ مجھے وہ وصیت دکھاؤ۔ میں بہار کو تمہاری شرط پہ رضامند کر لوں گی۔

عقیل ۔ جاؤ پہلے بہار سے ایک تحریر لکھوا لاؤ، پھر میں یہ وصیت تمہارے حوالے کر دوں گا۔

ناز ۔ [جاتے ہوئے] میں جاتی ہوں۔ میرا انتظار کرو۔ مگر کہیں ایسا نہ ہو..........

عقیل ۔ نہیں نہیں مجھ پر اعتبار کرو۔

[ناز چلی جاتی ہے۔ عقیل دروازہ بند کر لیتا ہے]

عقیل ۔ [اس کے جانے کے بعد اسے خطاب کرتے ہوئے] تم کو دولت کی ضرورت ہے، اس لئے کہ تمہاری بیٹی تمہارے سایۂ عاطفت میں عیش و آرام کی زندگی بسر کر رہی ہے۔ اور مجھ کو دولت کی کچھ ضرورت نہیں، کیونکہ میری بیٹی دُنیا کے کسی گمنام کونے میں فاقوں سے مر رہی ہے۔ تو کہے گی وہ گم ہو چکی ہے، اس کے ملنے کی کوئی اُمید نہیں۔ آ آ اور میرے سینے کو چیر کر دیکھ کہ اس میں کتنی اُمیدیں موجزن ہیں آہ اگر اس کے دوبارہ ملنے کی اُمید نہ ہوتی تو میں یہ سب کچھ کیوں کرتا۔ خود رنج و الم سہہ سہہ کر اپنے تہ خانوں کو زر و جواہر سے کیوں بھرتا۔

کھویا ہو جس نے مال ذرا اُس کے دل سے پوچھ
لختِ جگر ہو جس کا جُدا اُس کے دل سے پوچھ
جو ہو وطن سے دور گیا اُس کے دل سے پوچھ
جس نے ہو دردِ ہجر سہا اُس کے دل سے پوچھ
رکھتا ہے دل کے شیشے میں اُمّید کی جھلک
ہو جیسے شب کے پردے میں خورشید کی جھلک

(باہر کے دروازے پہ دستک ہوتی ہے)

عقیل۔ (بڑی بے صبری سے) کون! رازدار!

آواز۔ جی سرکار!

(عقیل دروازہ کھولتا ہے، دونوں کارندے بکس لئے داخل ہوتے ہیں)

عقیل۔ (ان کو داخل ہوتے دیکھ کر) کہو کامیاب ہوئے یا نہیں۔

رازدار۔ (بڑھ کر) ہم نے حضور کے حکم کی تعمیل کر دی۔

عقیل۔ یعنی۔

رازدار۔ اس مکان میں یہی ایک بکس تھا اُسے اٹھا لائے ہیں۔

عقیل۔ مکان کے رہنے والوں کو۔

رازدار۔ جلا آئے ہیں۔

[عقیل ان کے ہاتھوں سے بکس لے کر اسے اپنی کنجیوں سے کھولنے

کی کوشش کرتا ہے -]

عقیل - تم تین تھے، ارشاد کہاں ہے -

رازدار - سردار وہ بھی تیرے دشمنوں کے ساتھ جل کر راکھ ہو گیا -

عقیل [آنکھ اٹھا کر] کیوں

رازدار - وہ دغا باز تھا، اپنے سردار سے دغا بازی کر کے اس کے دشمنوں کو بچانا

چاہتا تھا -

عقیل - شاباش، آفریں، تم سے یہی اُمید تھی -

[بکس کھول کر اس کو جلدی جلدی خالی کرتا ہے

اس میں ایک سر بمہر لفافہ ملتا ہے - عقیل

یہ سمجھ کر کہ اس میں نکاح نامہ بند ہے خوش

ہوتا ہے]

عقیل - مل گیا، مل گیا، میری خوش قسمتی کا نوشتہ مل گیا -

[لفافے کی مہریں دیکھ کر]

او بیوقوف عورت تو نے کس محنت سے اس کلیدِ عشرت کو صرف

میرے ہاتھوں میں پہنچنے کے لئے دُنیا کی نظروں سے چھپایا ہے

کس قدر حفاظت سے اپنی تقدیر کی اس روشن تحریر کو صرف ایک

دوسری عورت کی قسمت چمکانے کے لئے اس کاغذی قید خانے میں بند کیا ہے۔

[لفافہ کو کھولنے سے پہلے اسے بغور دیکھتا ہے اور اس کی مہروں کو محفوظ دیکھ کر اطمینان اور مسرت کا اظہار کرتا ہے۔]

کوئی خوش بخت ہی محنت کا ثمر پاتا ہے
ورنہ اِنسان اُمیدوں ہی میں مرجاتا ہے

[مہریں توڑ کر لفافہ کھولتا ہے۔ اس میں سے ایک اور لفافہ نکلتا ہے جس پر عقیل کا نام اور پتہ لکھا ہے]

[پتا پڑھتا ہے]

ایک لفافے میں دوسرا لفافہ۔ ہیں! مرزا عقیل یعنی میں! خداوندا یہ کیا راز ہے۔

[جلدی سے لفافہ پھاڑ کر کاغذ نکالتا ہے اور پڑھتا ہے]

خط

"یہ خط تم کو اس وقت ملے گا جب تمہاری مصیبت زدہ بیوی دُنیا سے سفر کر چکی ہو گی۔"

[بڑے رنج کے اظہار سے]

یعنی مر چکی ہوگی، آہ میری اُمیدوں کا خُون ہو گیا"۔

[پھر پڑھتا ہے]

" اور تمہاری معصوم بیٹی اپنے باپ کے گناہ کی سزا بھگت رہی ہوگی۔ وہ اس وقت بے یار و مددگار دُنیا کی ہر آفت کا شکار ہوگی اور بے گھر بے زر بے پرہو کر تمہاری مدد کی طلبگار ہوگی"۔

- آہ، آہ، آہ۔ میری بیٹی اور اس حالت میں! میری نورِ نظر اور اس مصیبت میں! میرے خدا مجھے سہارا دے۔

[پھر سنبھل کر خط پڑھتا ہے]

" اگر تمہارے دل میں کچھ بھی احساس مروّت ہے۔ اگر تمہارے دل میں کچھ بھی اپنی اولاد کی محبّت ہے تو فوراً اس پتے پر جاؤ اور اپنی بیٹی کو مصیبت سے بچاؤ۔ مگر خبردار اسے اپنا نام نہ بتانا اس کے دُکھے ہوئے دل کو اور نہ دُکھانا۔

بدنصیب

" زمانی "

پتا:۔ عشرت جہاں۔ مکان نمبر ۳۔ قاضیوں کا کُوچہ

[فرطِ اضطراب سے سر کے بال نوچ لیتا ہے]

خداوندا! میں نے یہ کیا پڑھا۔ کیا تو نے میرے گناہوں کا انتقام میرے ہاتھوں ہی سے لیا۔

[کارندوں سے مخاطب ہو کر] ہاں ہاں تم نے کیا کہا تھا۔ کیا اس گھر کو جلا دیا۔

رازدار ۔ جی ہاں۔

عقیل ۔ کیوں

رازدار ۔ سردار کا ہی حکم تھا۔

عقیل ۔ آہ تو میری اُمیدوں کا گلشن اجڑ گیا۔ میرا گھر میرے ہی ہاتھوں بگڑ گیا۔

مجھ سا بھی کون ہو گا زمانے میں رُوسیاہ
اولا اپنی، اپنے ہی ہاتھوں کرے تباہ
کیا انتقام جُرم ہے اللہ کی پناہ
بیٹی کے سر پہ ٹوٹ پڑا باپ کا گناہ

[بہت بے حال ہو کر تڑپتا ہے ۔ اور میز کا سہارا لے کر گرنے سے بچتا ہے]

رازدار [فوراً بڑھا اور تھام کر] سردار! سردار

عقیل ۔ آہ رازدار

رازدار۔۔ ذرا تو دل کو سنبھالئے۔

عقیل۔ (خنجر لے کر) لو یہ خنجر اُٹھاؤ اور مجھے مار ڈالو۔ مگر نہیں ٹھہرو۔ مجھے پشیمان ہو لینے دو۔ اپنے گناہوں پر رو لینے دو۔ سنو آج وہ شخص جو ہمیشہ خدا کے قہر کو ہنسی میں اُڑایا کرتا تھا۔ دوسروں کو روتا دیکھ کر خوشیاں منایا کرتا تھا، اپنے ظلم کا خود ہی شکار ہو گیا ہے۔ اپنے فریب کے جال میں خود ہی گرفتار ہو گیا ہے۔ آہ جہنّم کی مہیب سے مہیب سزا اس قدر خوفناک نہیں ہو سکتی۔ دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی مصیبت اس قدر دردناک نہیں ہو سکتی۔ توبہ توبہ توبہ

(گھٹنوں پر گر جاتا ہے۔ اور بارگاہِ ایزدی میں زاری والحاح کرتا ہے)

داغِ سیاہِ جُرم سے مَیں داغدار ہوں
دنیا کا بار چشمِ جہاں کا غبار ہوں
رحمت سے تیری دور نہیں عفوِ معصیت
حقدار تو نہیں، مگر اُمیّد وار ہوں

رازدار۔ مگر یہ اشکباری یہ بے قراری کس لئے۔

عقیل۔ اُف تم ابھی تک نہیں سمجھے۔ سنو تم نے جس گھر کو جلایا ہے۔

رازدار۔ ہاں۔

عقیل ۔ وہ میری بیٹی کا گھر تھا۔

رازدار ۔ افسوس۔

عقیل ۔ جس عورت کو جیتے جی خاک سیاہ بنا دیا ہے۔

رازدار ۔ ہاں۔

عقیل ۔ وہ میری بیٹی تھی۔

رازدار ۔ (زور سے چلا کر) خدا کا شکر ہے کہ وہ زندہ ہے۔

عقیل ۔ (جوش اور تعجب سے) زندہ ہے؟

رازدار ۔ ہاں۔

عقیل ۔ جھوٹ

رازدار ۔ بالکل سچ۔

عقیل ۔ کیا

رازدار ۔ وہ ہمارے ہاتھ سے بچ گئی۔

عقیل ۔ کیسے۔

رازدار ۔ مکان کے جلنے سے پہلے باہر نکل گئی۔

عقیل ۔ تو پھر وہ کہاں ہے ۔ سچ سچ بتاؤ۔

رازدار ۔ یہ ہم نہیں جانتے۔

پردہ

دوسرا منظر

اِرشاد کا مکان

ہدایات :-

[ارشاد عقیل کا شریکِ کار عشرت کے بچے کو آگ سے بچا کر عشرت کو از راہِ ہمدردی اپنے مکان پر لے آیا ہے عشرت نہایت افسردگی کے عالم میں ہے۔ ایک غمگین سوز سے شکوۂ فلک کر رہی ہے۔ اس کا بچہ اس کے ساتھ ہے پیچھے پیچھے اِرشاد آرہا ہے۔ وہ اپنے گناہوں سے تائب اور پشیمان ہو کر عشرت اور اس کے بچے کو عقیل کے مظالم سے بچانے کا تہیہ کر چکا ہے۔ وہ صرف اتنا جانتا ہے کہ عشرت مسعود کی بیوی ہے۔ اور عقیل اس کو مسعود کے رستے سے ہٹانے کے لئے کسی جرم سے دریغ نہیں کرے گا۔

عشرت۔ ملے گا تجھ کو فلک کیا ستا ستا کے مجھے
نہ ہوگا دل ترا ٹھنڈا جلا جلا کے مجھے
ترا تو کون سی رفعت ہوئی تجھے حاصل
نگاہِ اہلِ جہاں میں گرا گرا کے مجھے
ثبات دور میں تیرے ہوا کبھی نہ نصیب
بگاڑتا ہی رہا تو بنا بنا کے مجھے
اُمیدِ عیش زمانہ سے کیا کرے ساحرؔ
کہ اُس نے اور رُلایا ہنسا ہنسا کے مجھے

ایک گھر تھا وہ اجڑ گیا، —— شوہر کا سہارا تھا وہ بچھڑ گیا۔ امّاں امّاں!! تجھ کو کیا خبر تھی کہ تیری بیٹی کی تقدیر یوں تباہ ہو جائیگی اس کو مصیبتوں سے بچانے کے لئے تیری آخری تدبیر یوں جل کر خاک سیاہ ہو جائے گی۔ آہ وہ بند لفافہ جس میں میری حفاظت کا طلسم محفوظ تھا۔ آگ کی نذر ہو گیا۔ میرے درد کا آخری علاج میرے زخم کا آخری مرہم کھو گیا۔

ارشاد۔ - معزز خاتون صبر کیجیے۔ خدا نے چاہا تو اس صبر کا اجر اور اس انتظار کا ثمر مل جائے گا۔

عشرت ۔صبر، انتظار، آہ یہ وہ الفاظ ہیں جن سے مجھ کو کئی بار دھوکا دیا گیا ہے۔ ان کو زبان سے نہ نکالو۔ ورنہ میں اپنے دل سے تمہاری عنایت، تمہاری مروّت سب کچھ بھلا دوں گی۔

بچّہ ۔ امّی، امّی، ابّا کہاں ہیں، چلو اپنے گھر چلو۔

اِرشاد ۔[پیار سے] میرے بچّے یہ بھی تمہارا گھر ہے۔

بچّہ ۔ امّاں یہ کون ہیں۔ یہ کس کا گھر ہے۔

عشرت ۔ آہ میں اس کا کیا جواب دوں، بیٹے یہ وُہ ہیں جنھوں نے تجھے ہلاکت اور مجھے عمر بھر کی مصیبت سے بچایا۔ ہماری ڈوبتی ہوئی ناؤ کو کنارے لگایا، اس سے زیادہ میں کچھ نہیں جانتی، کچھ نہیں بتا سکتی۔

[ارشاد بچے کو پلنگ پر لٹا دیتا ہے]

اِرشاد ۔بیٹی میرے کوئی اولاد نہیں ہے۔ یہ گھر کسی بچّے کی محبّت سے آباد نہیں ہے۔ آج سے تم مجھے اپنا باپ اور اس گھر کو اپنا گھر سمجھو یہاں رہو سہو، تم بہت تھک گئی ہو، اندر جاؤ آرام کرو۔

بشر پر اک نہ اک دن وقت آتا ہے مصیبت کا
نہ گھبراؤ تقاضا ہے یہی قانونِ قدرت کا
جہاں فانی ہے اس کا عیش فانی اس کا غم فانی
خدا چاہے تو آئے گا زمانہ پھر مسرّت کا

عشرت ۔ میرے محسن خدا تمہارا بھلا کرے تمہیں اس نیکی کا اجر دے۔ خدا کے واسطے اپنے دل کو ایک بد قسمت عورت کے لئے نہ دُکھاؤ۔ تم نے جو احسان کیا ہے وہی کیا کم ہے۔

ارشاد ۔ میری بیٹی میں نے تم پر کوئی احسان نہیں کیا۔ تُم نے مجھ پر احسان کیا ہے۔ میں تمہارا شکر گزار ہوں۔ اور اس احسان کے عوض تم پر اپنی جان تک قربان کرنے کو تیار ہوں۔

بچایا ہے تری فریاد نے غرقابِ عصیاں کو
دکھائی ہے خدا کی راہ اِک گمراہ انساں کو
ہلا ڈالی گناہوں کی عمارت تیری آہوں نے
کیا آباد پھر یادِ خدا سے قلبِ ویراں کو

عشرت ۔ نیک انسان تم یہ کیا کہہ رہے ہو۔ میں تمہارا مطلب نہیں سمجھی۔

ارشاد ۔ اس کے سمجھنے کے لئے بہت وقت باقی ہے۔ یہ ایک لمبی کہانی ہے۔ مگر سنو اس وقت تمہاری اور تمہارے بچّے کی جان خطرے میں ہے۔ مجھے جلدی سے حفاظت کی کوئی تدبیر کرنے دو۔

عشرت (گھبرا کر) میری اور میرے بچّے کی جان خطرے میں، اس سے آپ کا کیا مطلب ہے۔

ارشاد۔ بس اس سے زیادہ کچھ نہ پوچھو، وہ دشمن جس کے حکم سے تمہارا گھر جلایا گیا ہے، جس کی ہوس پرستی نے تم کو ان مصیبتوں کے جال میں پھنسایا ہے ابھی تک زندہ ہے، تمہارے زندہ بچ جانے کی خبر سُن کر اُسے چین نہ آئے گا۔ اگر اس کو تمہارا پتا چل گیا تو میرے لئے بھی تمہارا بچانا دشوار ہو جائے گا۔

عشرت۔ دشمن، میرا دشمن، کیسا دشمن؟ میں نے کون سا گناہ کیا ہے۔

ارشاد۔ بہت بڑا گناہ۔

عشرت۔ کیا؟

ارشاد۔ تم ایک دولت مند امیر کی بیوی ہو۔

عشرت۔ تو کیا یہ بھی کوئی جرم ہے۔

ارشاد۔ بیشک ایک ہوس پرست انسان کی نظر میں جو دولتمند مسعود سے اپنی بیٹی کی شادی کر کے اپنے آپ کو دولتمند بنانا چاہتا ہے۔ یہ ایک جرم ہے ایک گناہ ہے۔

عشرت۔ تو اس وقت مسعود کہاں ہے۔

ارشاد۔ اسی دشمن کے قبضے ہیں۔

عشرت۔ اپنی مرضی سے۔

ارشاد۔ نہیں اس کو بیہوشی کی دوا دی گئی ہے۔ اور اس کی بیہوشی کی حالت

میں تمہیں اور تمہارے مکان کو جلانے کی تدبیر کی گئی ہے۔

عشرت آخر یہ کیوں

ارشاد۔ اس لئے کہ مسعود کی بیوی، اس کا بچّہ اور اس کے نکاح کا ثبوت فنا ہو جائے۔

عشرت ۔پھر

ارشاد۔ ۔تمہاری تباہی کے بعد ان کا مقصد بر آئے۔

عشرت ۔آہ اگر مسعود کی زندگی خطرے میں ہے تو مجھ کو اپنی زندگی کی ضرورت نہیں۔ میرے غمخوار اگر ایک بیکس عورت کے ٹوٹے ہوئے دل کی دعائیں لینا چاہتے ہو تو جاؤ، مسعود کو بچاؤ۔

ارشاد ۔میری بیٹی مت گھبراؤ، مسعود کی زندگی خطرے میں نہیں۔ اُس کی زندگی کی اُس کے دشمنوں کو تم سے زیادہ ضرورت ہے مسعود کو بڑی بیگم اپنی بیٹی کے لئے اور مرزا عقیل اپنی بیٹی کے لئے دام میں پھنسانا چاہتے ہیں۔

عشرت ۔(خوش ہو کر) یہ لوگ بڑے دھوکے میں ہیں۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ ان کو سمجھایا جائے۔ ایمان اور انصاف کا رستہ دکھایا جائے۔

ارشاد بیٹی تم ان خود غرض دُنیا داروں کی حقیقت نہیں پہچانتیں۔ ان شریف بدکاروں کو نہیں جانتیں۔

راہزن، ڈاکو، لٹیرے، خودغرض، حق ناشناس
بھیڑیئے پہنے ہوئے پھرتے ہیں بھیڑوں کا لباس
نوعِ انساں سے الگ ہے فطرت اہلِ ہوس
ان کے دِل پتھّر، نگاہیں بے حیا، خُونا سپاس

عشرت۔ نہیں نہیں مسعُود کی سوتیلی ماں ایک عورت ہے۔ میں اس کو عورت کے نام کی دہائی دے کر اپنا حق مانگوں گی، وہ ایک بیٹی کی ماں ہے، میں اس کی بیٹی کا واسطہ دے کر فریاد کروں گی۔

ارشاد۔ لیکن اگر مسعود ان کے دامِ تزویر میں پھنس کر تمہاری شادی سے انکار کر دے

عشرت۔ تو

ارشاد۔ اب تمہارے نکاح کو ثابت کرنا دشوار ہے۔

عشرت۔ کیوں

ارشاد۔ اس لئے کہ تمہارا نکاح نامہ مکان کے ساتھ جل گیا

عشرت۔ نہیں وہ تو میرے پاس موجود ہے۔

ارشاد۔ (حیرت سے) کیسے۔

عشرت۔ نکاح نامہ میرے بازو بند میں محفوظ ہے۔

ارشاد۔ سچ۔

عشرت - بیشک -

ارشاد - تو چلو بیٹی میرے ساتھ چلو، میں ان دونوں عیاروں کی عیاری خاک میں ملادوں گا، ان ظالموں کی اُمید کا خیالی محل تاراج کر کے حق حقدار کو دلادوں گا -

عشرت - میرے محسن نہیں میں مسعود کی بیوی ہوں - مجھ پر مسعود کی ماں اور اس کے ماموں کی عزت فرض ہے، میں اُن سے لڑنے نہیں جاتی - صرف اُن کو اپنی مصیبت کی کہانی سنانے جاتی ہوں -

ارشاد - میری بیٹی ایسے زہریلے سانپوں کے پاس تنہا جانا خلافِ مصلحت ہے -

عشرت - ایک معصوم عورت کے حق کی حفاظت کرنے کے لئے خود نیکی ایک زبردست طاقت ہے - [بچے سے] اٹھو میرے بیٹے میرے ساتھ تم چلو - میرے ساتھ چلنے کا حق صرف تم کو حاصل ہے یاں کے دکھ سہنے کے لئے صرف تمہارا دل ہے -

ارشاد - خدا کے لئے ٹھیرو - وہ تمہارے دشمن ہیں اور زبردست ہیں -

عشرت - خدا میرا دوست ہے اور ان سے زیادہ زبردست ہے -

[چلی جاتی ہے]

ارشاد - آہ بدقسمت لڑکی تیری بدقسمتی ابھی تک ختم نہیں ہوئی - تو خود

اپنی مرضی سے اپنی موت کے منہ میں چلی ہے۔ مگر نہیں میں تجھے تنہا نہ جانے دوں گا۔ سائے کی طرح تیرے ساتھ ساتھ رہوں گا۔ اور اگر تجھ کو ان ظالموں کے پنجے سے بچانے کے لئے میری جان کی بھی ضرورت ہوئی تو قربان کر دوں گا۔

{باہر کے دروازے پر زور سے دستک ہوتی ہے}

ارشاد۔ کون

آواز۔ عقیل۔

ارشاد۔ آہ جس خطرے کا اندیشہ تھا وہی سامنے آیا۔ ایک جال کے ٹوٹتے ہی شکاری نے دوسرا جال بچھایا۔

{جا کر دروازہ کھولتا ہے}

عقیل۔ {بڑی لجاجت سے} میرے دوست

ارشاد۔ {بے پروائی سے} میں اب تمہارا دوست نہیں ہو سکتا۔

عقیل کیوں

ارشاد۔ اس لئے کہ تمہارے دشمن سے دوستی کا عہد کر چکا ہوں۔

عقیل۔ کس دشمن سے

ارشاد اُس کو تم مجھ سے زیادہ اچھی طرح جانتے ہو۔ وہی جس کی تلاش میں تم یہاں آئے ہو۔

عقیل ۔ آخر کون

اِرشاد ۔ ایک لاوارث بے کس غریب لڑکی۔

عقیل ۔ ارشاد، ارشاد بتاؤ وہ کہاں ہے۔

اِرشاد ۔ نہیں بتا سکتا۔

عقیل ۔ خدا کے واسطے میرے دماغ پر ترس کھاؤ۔

اِرشاد ۔ سردار اب اُس اِرشاد کو بھول جاؤ۔ جو ہر گناہ میں تمہاری مدد کرنے کو تیار تھا۔ ہر بدکاری میں تمہارا شریکِ کار تھا۔

عقیل ۔ میں گناہ کرنے نہیں آیا۔ اِرشاد میں اپنے گناہوں کا کفارہ ادا کرنے کے لیئے آیا ہوں۔

اِرشاد ۔ بیشک ایک معصوم بچے کو آگ میں جلا کر جو کفّارہ ادا نہیں ہو سکا وہ اب ایک بے گناہ لڑکی کے خون سے ادا کیا جائے گا۔

عقیل ۔ ارشاد، ارشاد جانتے ہو وہ لڑکی کون ہے۔

اِرشاد ۔ خوب جانتا ہوں۔

عقیل ۔ کیا

اِرشاد ۔ تمہاری خود غرضی کا شکار، تمہارے ظلم کی خوراک۔

عقیل ۔ [بات کاٹ کر] نہیں نہیں ارشاد تم کچھ بھی نہیں جانتے۔

اِرشاد [نفرت سے] کیوں

عقیل ۔ بس مجھے دیوانہ نہ بناؤ ۔ مجھے میرے گناہوں کی یاد نہ دلاؤ ۔

جلا ڈالا ہے میں نے اپنے ہاتھوں اپنے خرمن کو
کیا ہے آپ ہی تاراج میں نے اپنے گلشن کو

ارشاد اپنی بیٹی کو آباد کرنے کے لئے میں نے جسے برباد کیا ہے ۔ اپنی بیٹی کو خوش کرنے کے لئے میں نے جسے ناشاد کیا ہے ۔

ارشاد ۔ وُہ

عقیل ۔ میری بیٹی ہے ۔

ارشاد ۔ تمہاری بیٹی ۔

عقیل ہاں

ارشاد ۔ تو وُہ گئی ۔

عقیل کہاں

ارشاد ۔ محل سرا کی طرف ۔

عقیل ۔ کیوں ۔

ارشاد ۔ تم سے تمہارے ظُلم کی فریاد کرنے کے لئے ، نواب کی مغرور بیوہ کے قدموں پر گر کر شکوہ بیداد کرنے کے لئے ۔

عقیل نازؔ کے پاس گئی ہے - آہ وہ ایک مصیبت سے نکل کر دوسری مصیبت میں پھنسی ہے - ارشاد آؤ آؤ میری بیٹی کو اس نئی مصیبت سے بچاؤ -

(عقیل اور ارشاد دوڑتے ہوئے جاتے ہیں)

پردہ

تیسرا منظر

محل سرا کا پائیں باغ

ہدایات:-

باغ کے ایک دلفریب گوشے میں ذرا پیچھے ہٹ کر مسعود ایک صوفے پر بیہوش پڑا ہے۔ بہار بڑے ناز و انداز سے اس کے قریب بیٹھی ہے۔ ساتھ ہی ایک تپائی پر سامانِ مے نوشی رکھا ہے، خواصیں اِدھر اُدھر موجود ہیں۔ ناز ایک پُر اضطراب حالت میں داخل ہوتی ہے۔ پہلے مسعود کے قریب جاتی ہے اور اُسے بیہوش دیکھ کر اطمینان کا اظہار کرتی ہے۔ پھر اشارے سے بہار کو سمجھاتی ہے کہ وہ مسعود کو اسی حالت میں رہنے دے۔ اس کے بعد الگ ہٹ کر کچھ سوچتی ہوئی اور دانت پیستے ہوئے اپنے آپ سے باتیں کرتی ہے۔ پھر یکبارگی جوش میں آجاتی ہے۔ اور دل ہی دل میں کچھ فیصلہ کر کے ملازم کو آواز دیتی ہے۔

ناز ۔ [غصے میں] نصف جائداد کا قبالہ، ایمان بیچ کر حاصل کی ہوئی دولت کا آدھا حصہ عقیل، یوں مفت میں ہاتھ نہیں آسکتا۔ تُو صرف ایک عورت کی کمزوری سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہے۔ مجھ کو خوش قسمتی کے دروازے تک پہنچا کر دروازہ بند کردینا چاہتا ہے مگر مجھ کو تیرے ڈر نے بہادر بنا دیا ہے

گھات سے میں مات تیری چال کردوں تو سہی
ٹھوکروں سے تجھ کو میں پامال کردوں تو سہی

[ملازم کو آواز دیتی ہے]

ناز ۔ یہاں آؤ۔

[ملازم ایک مؤدبانہ انداز سے داخل ہوتا ہے]

ملازم ۔ سرکار

ناز ۔ تم کو معلوم ہے تم کون ہو۔

ملازم ۔ نمک خوار

ناز ۔ کس کے۔

ملازم ۔ سرکار کے

ناز ۔ کس کا حکم مانو گے۔

ملازم ۔ سرکار کا۔

ناز ۔ اس خدمت کی قیمت

ملازم ۔ سرکار کی عنایت

ناز ۔ [جیب سے ایک بٹوہ نکال کر دیتی ہے] لو اس عنایت کا پہلا ثبوت، اب دل سے پوچھو ایک مشکل کام کرنے کی ہمت رکھتا ہے۔

ملازم ۔ بیشک۔

ناز ۔ مرزا عقیل خواب گاہ میں میرا انتظار کر رہا ہے۔ جاؤ دروازے پر پہرہ لگا دو۔

ملازم [حیرت سے] مگر مرزا عقیل تو بڑی خواب گاہ میں نہیں۔

ناز ۔ [تعجب اور گھبراہٹ سے] کیا

ملازم ۔ میں نے ان کو بڑی پریشانی کی حالت میں ابھی ابھی بڑے بازار کی طرف جاتے دیکھا ہے۔

ناز ۔ [کچھ سوچ کر] کچھ پرواہ نہیں اس محلے کے قاضی کو جانتے ہو۔

ملازم ۔ جی ہاں

ناز ۔ اس کا ایمان۔

ملازم ۔ لالچ کی عدم موجودگی میں بہت مضبوط ہے۔

ناز ۔ [تو جاؤ اس کے ایمان کی قیمت اس کے اندازے سے زیادہ دے کر اس کو لے آؤ۔

ملازم ۔ جو ارشاد

[جاتا ہے]

ناز (سوچتے ہوئے) اگر یہ نکاح نامہ مکمل ہو گیا تو مسعود کی بیوی سے اس کا حق کون چھین سکتا ہے۔

(ایک دوسرا ملازم داخل ہوتا ہے)

ملازم۔ سرکار۔

ناز۔ کیا ہے۔

ملازم۔ ایک خاتون دروازے پر کھڑی ہیں۔ اور آپ سے ملنا چاہتی ہیں۔

ناز۔ کون خاتون

ملازم۔ وہ اپنے آپ کو چھوٹے سرکار کی بیگم بتاتی ہیں۔

ناز۔ (کچھ سوچ کر) اسے خواب گاہ میں بٹھاؤ۔ اور میرا انتظار کرو۔

ملازم۔ بہت بہتر (جاتا ہے)

ناز۔ (پھر بلا کر) سنو جب تک میں نہ آؤں اور کسی شخص کو اندر نہ جانے دو۔

ملازم۔ جو حکم۔ (جاتا ہے)

ناز۔ بہار تیری قسمت جاگ اٹھی، یہ بازی بھی میرے ہی ہاتھ رہی (ذرا آگے بڑھ کر بہار کو بلاتی ہے) بہار بہار

(بہار ناز کے قریب آجاتی ہے)

ناز۔ (بہار سے) ہنسو۔ خوش ہو۔ تمہاری تقدیر دشمنوں کی تدبیر پر ہنس رہی

ہے۔ تمہاری سب سے بڑی دشمن خود ہی تمہارے جال میں پھنس رہی ہے

بہار۔ کون۔

ناز ۔ مسعود کی بیوی۔

بہار۔ کیسے۔

ناز ۔ اس وقت بڑی خواب گاہ میں میرا انتظار کر رہی ہے ۔

بہار ۔ تو

ناز۔ خواصوں سے کہو گائیں، میٹھے میٹھے نغموں کی لَے سے مسعود کو ہوش میں لائیں۔ تم تھوڑی دیر کے لئے جھوٹے پیار اور پُر فریب محبت سے مسعود کا دل قابو میں لاؤ۔ قاضی صاحب ابھی ابھی آتے ہونگے۔ نکاح کیلئے تیار ہو جاؤ۔

بہار ۔ مگر مسعود کی بیوی

ناز ۔ وہ میرے پنجے میں ہے [جاتی ہے]

بہار [فرط انبساط اور احساس تفاخر سے اپنے آپ کو خطاب کرتی ہے] بہار! رخصت! اب میں عشرت جہاں ہوں .... ایک بدکار عورت کی لاوارث بیٹی! خدا حافظ۔ اب میں ایک شریف گھرانے کی آبرو ہوں۔ ایک دولتمند امیرزادے ۔ اس شہر کے سب سے بڑے رئیس کی بیگم ہوں۔ (خواصوں سے) کیا دیکھتی ہو آؤ۔ کسی پُر ہوس نغمے سے سوئی ہوئی اُمنگوں کو بیدار کرو، عیش و مسرت کو جگاؤ ۔

[خواصیں ایک پُرکیف نغمے کی لے سے رفتہ رفتہ سرمست ہو کر محوِ رقص ہو جاتی ہے]

جب کہ بلبل ہو مست مئے حسنِ گُل

اور گل ہو خرابِ شرابِ بہار

جب کہ گلشن میں دورِ بہار چلے

جب کہ ترچھی نگاہوں کا وار چلے

جُھک کے قاتل کی آنکھوں کو کروں میں پیار

جب کہ بلبل ....

[بہار سے مخاطب ہو کر]

ترا نکھار کہاں گُل میں گلعذاروں میں

بہار حُسن سے ہے تیرے لالہ زاروں میں

تری ادا کی چمک برق کے شراروں میں

ترے لبوں کا تبسم نہاں ستاروں میں

شب ماہ میں نین ہوں مدھر ارچے

مور ناچے، پپیہا کا شور مچے

تو ہے جانِ بہار تجھ سے شانِ بہار
جب کہ بلبل ہو مستِ مئے حسنِ گُل
اور گل ہو خراب شرابِ بہار

[گانے کے اختتام پر مسعود یک لخت بیتاب ہو کر بیدار ہوتا ہے اور دیوانہ وار اِدھر اُدھر دیکھتا ہے]

مسعود۔ آہ میں نے کیا سُنا؟ عشرت کے رونے کی آواز، شہزاد امیرا بچہ درد سے بے قرار .... [آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتا ہے] یہاں تو نہ عشرت ہے نہ شہزاد، میرے کانوں نے شاید غلط سُنا ہے میری آنکھوں نے یقیناً دھوکا کھایا ہے۔

بہار [تسلی آمیز لہجے میں] پیارے مسعود کیا ہُوا۔ تم کیا کہہ رہے ہو۔ یہاں تو رقص اور نغمے کے سوا اور کوئی آواز نہیں۔

مسعود [غصے اور حیرت میں] کیا میں سو رہا تھا۔ سچ سچ بتاؤ یہاں کیا ہو رہا تھا اُف میرا دماغ چکرا رہا ہے، مجھے غش سا آ رہا ہے۔

کون تھا جس کی تڑپ نے قلب کو تڑپا دیا
کس کی فریادوں سے کانوں میں ہوا محشر بپا
آنکھ کس کو دیکھ کر ہے رنج وغم میں مبتلا
خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سُنا افسانہ تھا

بہار ۔ محض ایک خیال، صرف ایک خواب، یہاں نہ کوئی تڑپتا تھا نہ رو رہا تھا۔ صرف تم کو خوش کرنے کا سامان ہو رہا تھا۔

شیشہ تھا، ساقی تھا، مے بھی، تُو تھا اور پیمانہ تھا
باغ میں ہر ساغرِ گل رشکِ صد میخانہ تھا
نغمۂ مستانہ تھا۔ عکسِ رخِ جانانہ تھا
کون تھا محفل میں میری تجھ سے جو بیگانہ تھا

مسعود ۔ [انتہائی کرب کی حالت میں دیوانہ وار] میرے بچے کو ایک کالا ناگ ڈس رہا ہے۔ وہ درد سے بلک رہا ہے، اس کی ماں فریاد کر رہی ہے اور بدبخت مسعود اپنے بچے اور بیوی کو روتا دیکھ کر ہنس رہا ہے۔

بہار ۔ آپ تو ابھی باتیں کرتے کرتے سو گئے تھے۔ ذرا سی دیر کیلئے غافل ہو گئے تھے

اُٹھ کر ذرا یہ ساغرِ مے نوش کیجئے
حسنِ صنم سے ہوش کو مدہوش کیجئے
دل کی تپش بجھایئے نغمے کے سوز سے
اس داستانِ غم کو فراموش کیجئے

مسعود ۔ نہیں نہیں میں اس وقت کسی چیز سے بھی خوش نہیں ہو سکتا۔

جامِ مے سے دل کا غم جاتا نظر آتا نہیں
رقص، نغمہ، شیشۂ مے مجھ کو کچھ بھاتا نہیں

سازسے بے سُود ہے درمانِ سوزِ دردِ دل
عیش سے افسردہ دل آسودگی پاتا نہیں

(اُٹھ کر جانا چاہتا ہے۔ مگر بہار روکتی ہے)

بہار۔ مسعود تم جاؤ گے تو میرا آرام، میرا عیش، میرا اطمینان ساتھ لے جاؤ گے، ذراسی دیر ٹھیرو، میں اس ہاتھ آئی ہوئی دولت کو آسانی سے نہیں کھو سکتی۔

ہم نے قدموں پر ترے کس شوق سے سر رکھ دیا
تو نے کس انداز سے گردن پہ خنجر رکھ دیا
قدرِ ذوقِ عشق کیا جانے ستمگر سنگ دل
سینے میں تجھ کو نہ رکھا ایک پتھر رکھ دیا

(بہار کی آہ و زاری سے مسعود کا کمزور دل۔ متاثر ہو جاتا ہے اور وہ مجبوراً بہار کے ساتھ جانے کو آمادہ ہو جاتا ہے۔ مگر اسی وقت عقیل گھبراہٹ اور پریشانی کی حالت میں داخل ہوتا ہے)

عقیل۔ ٹھیرو! تمہارے فریب کا طلسم ٹوٹ گیا۔ تمہاری اُمیدوں کا شیرازہ بکھر گیا۔

(بہار اور مسعود گھبرا جاتے ہیں)

مسعود۔ کیا؟

عقیل۔ [اِدھر اُدھر دیکھ کر] تمہاری بیوی اور تمہارا بچّہ۔
مسعود۔ [انتہائی پریشانی اور اضطراب کی حالت میں] کہاں ہیں؟
عقیل۔ یہاں۔
مسعود۔ [کچھ سمجھ کر] ہاں ہاں میں نے عشرت کے رونے آواز سنی تھی۔ میں نے اپنے معصوم بچّے کی فریاد سنی تھی۔ اس کو تڑپتے اور بلکتے ہوئے دیکھا تھا۔

[بہار سے مخاطب ہو کر] مگر تُو تو کہتی تھی یہاں کوئی نہیں ہے۔ تو مجھے جھٹلاتی تھی۔ تو مجھ سے اصلی حقیقت چھپاتی تھی۔

[بڑھ کر غصّے میں اس کا گریباں پکڑ لیتا ہے]

بتا بتا تو نے انہیں کہاں چھپا دیا ہے۔ بتا ورنہ میں تیرے خوبصورت چہرے کی بہار کو اِن ناخنوں سے اُجاڑ دونگا۔

بہار۔ [گھبرا کر] مسعود مسعود تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ ہوش میں آؤ۔ تم کیا پوچھنا چاہتے ہو۔ صاف صاف بتاؤ۔

عقیل۔ بہار یہاں کوئی عورت آئی تھی۔
بہار۔ نہیں
عقیل۔ تمہاری ماں کہاں ہے۔
بہار۔ میں نہیں جانتی۔

عقیل ۔ تو نہیں جانتی؟ نہیں نہیں تو سب کچھ جانتی ہے۔ بتا تو یہاں کیا کر رہی تھی۔

بہار ۔ تمہارے حکم کی تعمیل۔

عقیل ۔ [پشیمان اور شرمندہ ہو کر] آہ میرے گناہوں کی سزا ابھی ختم نہیں ہوئی میری غریب بیٹی۔

مسعود [حیران ہو کر] تمہاری غریب بیٹی، وہ کون ہے۔

عقیل ۔ عشرت، تمہاری بیوی، مسعود آؤ اس گھر کا کونہ کونہ چھان مارو۔ اس کا کھوج نکالو۔ مگر ٹھیرو۔ مجھے بہار کو اپنے ساتھ لینے دو۔ اگر نازنے میری بیٹی کو ستایا، اُسے ذرا بھی نقصان پہنچایا تو میں اس کی بیٹی کو اس کی آنکھوں کے سامنے زندہ جلا کر انتقام لُوں گا۔

[بہار کو پکڑ کر کھینچتا ہے]

بہار ۔ ہائے ہائے عقیل مجھ پر رحم کرو۔

عقیل ۔ [کھینچ کرلے جاتے ہوئے] یہ تمہاری ماں کے فیصلے پر موقوف ہے۔

[مسعود دوڑتا ہوا ان کے پیچھے جاتا ہے۔ سب خواصیں سراسیمہ ہو کر بھاگ جاتی ہیں]

پردہ

٤٨٦

السلام عليكم

- السلام عليكم -

چوتھا منظر

نواب ثریّا جاہ کی خواب گاہ

ہدایات :-

[ناز ایک اندازِ غرور اور انتہائے نخوت سے ایک پرشوکت کُرسی پر بیٹھی ہے اُس کے دائیں ہاتھ کے قریب ایک تپائی پر فانوس میں شمع روشن ہے ، اس کے سامنے عشرت ایک نہایت عاجزانہ اور ملتجیانہ انداز میں کھڑی ہے سلسلۂ گفتگو جاری ہے۔ عشرت کا بچہ ناز کے پاؤں کے قریب زمین پر پڑا ہے۔ ناز خوب جانتی ہے کہ عشرت مسعود کی بیوی ہے۔ مگر صرف وقت ٹالنے کے لئے اس سے مصروفِ گفتگو ہونا چاہتی ہے۔ دورانِ گفتگو میں جب اسے عشرت کے نکاح نامے کا پتہ چل جاتا ہے تو اسے کسی نہ کسی بہانے سے اپنے قبضے میں لانے کی تدبیر کرتی ہے]

ناز۔ [تکبر و استغنا سے] تو تم کہنا چاہتی ہو کہ تم نے مسعود سے شادی کی۔

عشرت [عاجزانہ استقامت سے] میں نے مسعود سے شادی نہیں کی۔ مسعود نے مجھ سے شادی کی۔

ناز۔ [تمسخر سے] ہا ہا وہ کب۔

عشرت [ایک زخمی پرندے کی طرح مضطرب ہو کر] جب مسعود آپ کی طرح امیر نہیں، میری طرح غریب تھا۔ جب وہ کسی کی پسند کو مال و دولت سے نہ جیت سکتا تھا۔ جب وہ اپنا سر چھپانے کے لئے ایک چھپر، اپنا پیٹ بھرنے کے لئے روٹی کے ایک ٹکڑے کا محتاج تھا۔

ناز۔ [بے اعتنائی سے] اس کا ثبوت

عشرت [بچے کی طرف اشارہ کر کے] اسے دیکھئے کیا آپ کو اس کی آنکھوں میں مسعود کی آنکھیں نظر نہیں آتیں۔ کیا اس کا چہرہ مسعود کے چہرے کی ایک چھوٹی سی تصویر نہیں، ہاں اگر اس سے بھی زیادہ مضبوط ثبوت کی ضرورت ہے تو بلائیے اور دیکھئے کہ یہ ان کو دیکھ کر خوشی سے بے ہوش نہیں ہو جاتا۔ ابّا ابّا کہہ کر اُن سے ہم آغوش نہیں ہو جاتا۔

ناز۔ [حقارت اور تمسخر سے] تم نے اسے سکھا دیا ہو گا۔

عشرت۔ [بے چارگی کے بے پناہ انداز سے] فرشتے جھوٹ نہیں بول

سکتے، معصوم بچّے گناہ کا سبق نہیں سیکھتے، اگر آپ کو اس بچے کی زبان کا اعتبار نہیں تو مسعود سے پوچھیئے، لختِ جگر کی محبت باپ کے دھڑکتے ہوئے دل میں، نورِ نظر کی اُلفت باپ کی محبّت بھری آنکھوں میں تلاش کیجیئے۔

ناز ۔ [بے پروائی سے] مجھ کو اس کی کچھ ضرورت نہیں۔

عشرت [دفورِ استقامت سے] آپ کو اس کی ضرورت ہے۔ بہت بڑی ضرورت ہے۔ اس لئے کہ آپ ایک عورت ہیں۔ ایک بیٹی کی ماں ہیں۔

ناز ۔ [ذلّت کے احساس کو حقارت سے ٹالتے ہوئے] عورت! جا میں تجھے نہیں جانتی، تیرے بچّے کو نہیں پہچانتی۔

عشرت [اِحساسِ خودداری سے] اپنے دماغ سے غرور کا پردہ اُٹھائیے، اپنے سخت دِل کو نرم کیجیئے، آپ اس بچّے کو پہچان لیں گی۔

ناز ۔ [غصّہ میں] نادان لڑکی تو کیا بک رہی ہے، کیا تجھے معلوم نہیں کہ تو میرے گھر میں ہے۔

عشرت [ایک شیرنی کے اندازِ مقاومت سے] میں اسے اپنے شوہر کا گھر سمجھ کر آئی ہوں۔ میں آپ سے دولت نہیں مانگتی، صرف اپنا حق طلب کرنے آئی ہوں۔

ناز ۔ [بے پروائی سے] تجھ کو مسعود کے پاس جانا چاہیئے تھا۔ وہ تیرے حق کا چور تھا، میرے پاس آنے سے مطلب ۔

عشرت ۔ میں آپ سے فریاد کرنے آئی ہوں۔ اس اُمید پر کہ جس جذبے کو ایک مرد نہیں سمجھ سکتا، اس کو ایک عورت اچھی طرح سمجھ سکتی ہے۔

نہیں لازم کہ میری قبر کی برباد مٹّی سے
تم اپنے قصرِ راحت ، عیش منزل کی بِنا ڈالو
کرو بیٹنگ کرو تدبیر اپنا گھر بنانے کی
مگر ایسا نہ ہو ٹوٹے ہوئے دل کو مٹا ڈالو

ناز ۔ [ناز نفرت اور استحقار سے] حسین چھوکری ! ایک بھولے بھالے لڑکے کو احمق بنا چکی، اب ایک عقلمند عورت کو بے وقوف بنانے آئی ہے۔

عشرت [جوشِ غیرت و حمیّت سے مشتعل ہو کر] معزز خاتون شریف عورتیں شریفوں کی بہو بیٹیوں کو اس طرح ذلیل نہیں کیا کرتیں ۔ میں آپ کو بے وقوف بنانے نہیں آئی ۔ شرافت کا بھولا ہوا سبق یاد دلانے آئی ہوں ۔

ناز ۔ [تکبر اور حقارت سے] تجھ جیسی عورتوں کے زبانی دعوؤں سے شریفوں

کی عزت برباد نہیں ہوتی۔

آبرو باختہ، بدکار ہزاروں تجھ سی
نیک ناموں کی بہو بیٹیاں کہلاتی ہیں
کرکے آراستہ اُجڑی ہوئی عصمت کی دکان
بیوقوفوں کی نگاہوں میں سما جاتی ہیں

عشرت [انتہائی غصّے میں] مغرور عورت زبان سنبھال، اپنی تعریف اپنے مُنہ سے نہ کر، میں مسعُود کی بیوی ہوں۔

ناز ۔ اس کا ثبوت؟

عشرت ۔ ہے۔

ناز ۔ کیا؟

عشرت ۔ میرا نکاح نامہ۔

ناز ۔ [گھبرا کر] وہ کہاں ہے۔

عشرت ۔ میرے پاس

ناز ۔ [کچھ سوچ کر] نہیں ہو سکتا۔ دکھاؤ۔ میں اسے دیکھنا چاہتی ہوں۔

عشرت ۔ [بازو بند کھول کر نکاح نامہ ناز کے ہاتھوں میں دیتے ہوئے] لیجئے اسے غور سے دیکھئے، کہئے اب تو آپ کو اطمینان ہو گیا۔

ناز ۔ [اسے ایک فوری نظر سے دیکھتی ہے۔ اور جلتی ہوئی شمع پر رکھ دیتی ہے] ہاں اب مجھ کو اطمینان ہوگیا۔

عشرت [دیوانہ وار بڑھ کر روکتی ہے] اُف دغابازی!

ناز ۔ [اسے زور سے دھکا دے کر] پرے ہٹ نابکار۔

عشرت ۔ [دیوار کے ساتھ گر کر] او خدا!

[عشرت دیوار کے ساتھ گرتی ہے۔ خفیہ بٹن دب جاتا ہے اور دیوار کا دروازہ کھُل جاتا ہے۔ اسی وقت عقیل اور مسعود داخل ہوتے ہیں۔ ناز گھبراہٹ میں نکاح نامے کو جلانے میں کامیاب نہیں ہو سکتی]

مسعودؔ ۔ [ناز کا ہاتھ جھٹک کر شمع سے الگ کرتے ہوئے] بس ہاتھ اُٹھا لے!

عقیل ۔ [پستول دکھا کر] بدشعار [نکاح نامہ چھین لیتا ہے]

مسعود ۔ [عشرت کو پیار سے اٹھا کر] میری بیوی!

عقیل ۔ [فوراً عشرت سے بغلگیر ہو کر] میری بیٹی!

مسعود کا بچّہ [عشرت کے پاؤں سے چپٹ کر] میری ماں!

عشرت [گھبراہٹ سے کھلے ہوئے دراز کو دیکھ کر] یہ ہے کیا؟

عقیل ۔ [خوشی سے بڑھ کر اور نواب کی وصیت نکال کر] اصلی وصیت

ناز۔ [احساسِ مایوسی سے] الاماں!

بہار۔ [زمین پر گر کر] وائے ناکامی!

ناز۔ [کانپ کر] خدایا! الحذر۔

عقیل۔ [دونوں طرف باری باری اشارہ کر کے] یہ بدی کا اور یہ نیکی کا ثمر!

ڈراپ سین

انجام

ہدایات :-

(وہی پہلا منظر جس میں بوڑھا مسعود اور اس کا نوجوان بیٹا شہزاد موجود ہیں۔ پھر سامنے آتا ہے۔ شہزاد باپ کی مصیبت کی داستان سن کر بہت متاثر ہے۔ سامنے کے روشن دان سے شہزاد کی ماں کی تصویر پر ایک پُراسرار روشنی پڑ رہی ہے شہزاد کسی غیر معلوم کشش سے اپنی ماں کی طرف کھنچتا چلا جاتا ہے۔ مسعود کی تقریر کے فقروں کا اثر اس کے چہرے پر آہستہ آہستہ عیاں ہوتا ہے۔ مکالمے کے اختتام پر ان دونوں کی افسردگی ایک پر سکون مسرت میں تبدیل ہو جاتی ہے!)

مسعود۔ [پردے کے اُٹھتے ہی گویا سلسلۂ بیان جاری رکھتے ہوئے] اور پھر عشرت تمہاری ماں میری بدنصیب بیوی جس کا نازک دل ان صدموں سے ٹوٹ چکا تھا۔ بہت دن زندہ نہ رہ سکی۔

شہزاد۔ [بڑی حسرت سے] آہ افسوس!

مسعود۔ مگر مرنے سے پہلے اُس نے اپنی دو آرزوئیں ظاہر کیں۔ جن کو پورا کرنے کے لئے مَیں جو اس کے بعد ایک لمحہ بھی زندہ نہ رہنا چاہتا تھا آج تک زندہ ہوں۔

شہزاد۔ [بہت غور سے] کیا ابّا جان

۔ ایک تو یہ کہ میں تمہیں سوتیلی ماں کے اُن مظالم سے محفوظ رکھنے کے لئے جن سے میری اپنی زندگی ایک داستانِ عبرت بن گئی۔ دوسری شادی نہ کروں۔

شہزاد ۔ اور دوسری۔

مسعود۔ تمہیں بازاری عورتوں کے فریب سے بچاؤں۔

شہزاد۔ آہ۔

مسعود۔ ایک بازاری عورت کے ہاتھ سے جو مصیبت تمہارے بوڑھے دادا شریف ماں اور حسرت نصیب باپ کے سر پر ٹوٹی اس کی دردناک کہانی تم سُن چکے۔ اُس کا مہیب منظر تم دیکھ چکے۔

[اپنی بیوی کی تصویر کی طرف اشارہ کر کے] وہ دیکھو تمہاری ماں کی منتظر نگاہیں تم سے اپنا حق طلب کر رہی ہیں۔ وہ دیکھو تمہاری ماں تمہارا فیصلہ سُننے کے لئے گوش بر آواز ہے۔ کہو، بولو۔ کیا اب بھی یہ سب کچھ سُن کر سب کچھ دیکھ کر تم ایک بازاری عورت سے شادی کرو گے؟

شہزاد۔ [انتہائی رنج اور جوش سے] نہیں ہرگز نہیں [ماں کی تصویر کے پاؤں کو بوسہ دے کر] نہیں ہرگز نہیں۔ اس بد نصیب ماں کی مصیبت کی قسم ہرگز نہیں [باپ کے قدموں پر گر کر] اِن مقدس قدموں کی عزّت کی قسم ہرگز نہیں!

[باپ جوشِ مسرت و محبّت سے شہزاد کو گلے سے لگا لیتا ہے۔ دونوں کا چہرہ کسی اندرونی جذبۂ احسان مندی کے احساس سے عشرت کی تصویر کی طرف اُٹھ جاتا ہے جس کو سامنے کے روشن دان سے چھن چھن کر آنے والی شعاعوں کی روشنی ایک نورانی حسن۔ ایک آسمانی تبسّم سے منوّر کر رہی ہے]

[پردہ آہستہ آہستہ گرتا ہے]

ڈراپ سین

(مطبوعہ فیروز پرنٹنگ ورکس لاہور باہتمام عبد المجید خاں پرنٹر و پبلشر)

اور خدا نے موسٰے سے کہا۔ تُو اِن گناہگاروں کے آگے
مت جھکا اور نہ اِن کی پیروی ہی کر۔ کیونکہ میں تیرا
خدا غیور ہوں اور یہ میرا مقرر کیا ہوا قانون ہے۔ کہ
باپ دادا کے گناہوں کی سزا اُن کی اولاد کو دیتا
ہوں اور وہ لوگ جو میرے قانون کے دشمن ہیں، اُن کے
گناہ کی سزا سے اُن کی تیسری اور چوتھی نسلیں بھی محفوظ
نہیں۔

خروج باب ۲۰ آیت ۵ (کتابِ مقدس)